مبدأ و معاد

از

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی

قدس سرہٗ

مع اردو ترجمہ

باہتمام

ادارۂ مجددیہ، ۲/۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

الحمد للہ کہ رسالۂ شریفہ

مبدأ و معاد

مصنفہ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہ

مع اردو ترجمہ

از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف عمدۃ السلوک، عمدۃ الفقہ وغیرہ

۱۴۰۴ھ باہتمام ۱۹۸۴ء

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳۔ کراچی ۱۸

مطبوعہ: احمد برادرس پرنٹرس۔ ناظم آباد ۲۔ کراچی ۱۸

15/-

عرضِ ناشر

الحمد للہ کہ اس عاجز کو امامِ ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کے رسالہ "مبدا و معاد" مع اردو ترجمہ از حضرت مولانا و مرشدنا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کے لئے نفع بخش ثابت ہو، آمین

احقر محمد اعلیٰ قریشی عفی عنہ

ادارۂ مجددیہ

۲/۵ - ایچ - ناظم آباد ۳ کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

حضرتِ حق سبحانہ جلّ وعلاشانہٗ کا بے حدو بے انتہا شکر و احسان ہے کہ اُس نے مجھ ناچیز کو امامِ ربانی محبوبِ صمدانی مجددالفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہ السامی کے اِس خصوصی رسالہ "مبدأ ومعاد" کے ترجمے کی توفیق بخشی، دعا ہے کہ حضرت موصوف قدس سرہ کے بقیہ رسائل و مکتوبات شریف کے ترجمہ کرنے کی سعادت بھی عطا فرمائے، آمین۔

اس رسالہ میں حضرت مجددالفِ ثانی قدس سرہ العزیز نے اسرار و رموز کے وہ لطیف اشارات بیان فرمائے ہیں جن کو سمجھنا عوام تو عوام اخص الخواص کے لئے بھی مشکل ہے مگر یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے کسی بندۂ خاص پر فضل ہو جائے اور اس کو کسی قدر علم و بصیرت بھی عطا فرمائے تو وہ کچھ سمجھ سکتا ہے، بہر حال اس رسالہ کی تصحیح و ترجمہ کرنا بہت مشکل کام تھا لیکن محبی جناب حاجی محمد اعلیٰ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے پیہم اصرار کی بِنا پر اس عاجز نے اردو میں

ترجمہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و تائید سے یہ رسالہ مع اردو ترجمہ بحسن وخوبی نہایت اہتمام کے ساتھ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی سے شائع کیا جارہا ہے۔

دراصل یہ رسالہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے جن کو حضرت ممدوح نے خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ۱۰۰۸ھ میں حاضر ہوکر طریقۂ نقشبندیہ کے حصول اور تقریباً دس سال بعد تک کے بعض کشف و حقائق کے وصول کے اظہار میں وقتاً فوقتاً تحریر یا بیان فرمایا تھا۔ اس کے بعد حضرت ممدوح کے خلیفہ حضرت مولانا محمد صدیق کشمی رحمہ اللہ نے ان مضامین کو ۱۰۱۹ھ میں مرتب فرمایا اور ان کو منہا کا عنوان دیکر ایک دوسرے سے ممتاز کیا جن کی مجموعی تعداد اکثر مطبوعہ نسخوں کے مطابق اکسٹھ (۶۱) ہوتی ہے حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی (ٹنڈو سائیں داد، حیدرآباد) کے قلمی نسخے میں منہا ۱۷ کے درمیانی حصہ میں مزید ایک اور منہا کا عنوان درج ہے اور حضرت مولانا نور احمد مرحوم کے مطبوعہ نسخہ میں بھی بالکل اسی جگہ منہا کا اشارہ موجود ہے، اس حساب سے منہا کی تعداد باسٹھ (۶۲) ہوجاتی ہے لیکن طاق عدد کے استحباب کا لحاظ رکھتے ہوئے دیگر مطبوعہ نسخوں کے مطابق منہا کی تعداد اکسٹھ (۶۱) ہی رکھی گئی ہے۔

کتاب کے شروع میں مبدأ و معاد کا اصل فارسی متن پیش کیا گیا ہے اور اس میں کسی حشو و زوائد کا اضافہ نہیں کیا۔ اس کے بعد مسلسل ترجمہ ہے اور مطابقت کے لئے اردو ترجمہ کے حاشیے پر فارسی متن کے صفحات

دیدیئے ہیں تاکہ اگر کہیں شبہ ہو اور اصل عبارت دیکھنے کی ضرورت پیش آئے تو فوراً صفحہ نکال کر دیکھ سکیں۔ مزید وضاحت کے لئے ترجمہ میں جگہ جگہ ذیلی عنوانات دیدیئے گئے ہیں۔ اشعار کا ترجمہ بھی اشعار ہی میں کردیا گیا ہے اور بعض بزرگوں کے حالات بھی مختصر طور پر حواشی میں درج کردیئے ہیں۔ غرضکہ عاجز نے ترجمہ کرنے میں پوری احتیاط سے کام لیا ہے اور ترجمہ کو زیادہ سے زیادہ سہل اور شگفتہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس وقت میرے سامنے مبدأ و معاد کے پانچ نسخے موجود ہیں جن میں ایک مخطوطہ ہے اور چار مطبوعہ۔ پہلا نسخہ جو مخطوطہ ہے حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی نقشبندی مدظلہ العالی (ٹنڈو سائیں داد) سے حاصل کیا گیا ہے، دوسرا نسخہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۷ھ کا مطبوعہ ہے جو مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی سے دستیاب ہوا ہے، تیسرا نسخہ مطبع مجددی امرتسر ۱۳۳۰ھ کا مطبوعہ ہے جو حضرت مولانا نور احمد مرحوم کا تصحیح کردہ ہے، یہ نایاب نسخہ حضرت مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی سے حاصل کیا گیا ہے، چوتھا نسخہ حکیم عبد المجید سیفی مرحوم لاہور ۱۳۷۶ھ کا مطبوعہ ہے، اور پانچواں نسخہ ادارۂ مجددیہ سعدیہ لاہور ۱۳۸۵ھ کا مطبوعہ ہے جو حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب کا تصحیح کردہ ہے؛

ان پانچ نسخوں سے حتی الامکان استفادہ کی کوشش کی گئی ہے اور جس نسخے کا جو لفظ صحیح معلوم ہوا اس کو اصل عبارت میں درج کردیا گیا ہے اور اختلافی الفاظ کو حاشیہ پر مع حوالہ ظاہر کردیا گیا ہے۔ اور ان پانچوں نسخوں کے اختلاف کو چند حروف میں اس طرح واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت

مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مدظلہ العالی والے نسخے کے الفاظ کو ش سے ظاہر کیا گیا ہے اور مطبع انصاری والے الفاظ کو ص سے اور مولانا نور احمد مرحوم والے نسخے کے الفاظ کو ن سے اور حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم والے نسخے کے الفاظ کو ج سے اور مولانا محبوب الٰہی صاحب والے نسخے کے الفاظ کو ھ سے واضح کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام اس سعی کو پسند فرمائیں گے۔

ان تمام خوبیوں کے پیش نظر قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ادارہ کی یہ سعی سابقہ کوششوں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مقام دوسروں کے مقابلہ میں کس قدر امتیاز کا حامل ہے۔ اس کے باوجود قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اگر سہواً کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس سے مطلع فرمائیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کتاب ہذا کے قلمی و مطبوعہ نسخے مہیا کرنے والے حضرات اور ترجمہ و تصحیح و نشر و اشاعت میں معاونت کرنے والے حضرات کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دائمی سعادتوں اور ظاہری و باطنی ترقیات سے نوازے آمین۔ ادارہ ان سب حضرات کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

احقر الانام

خاکسار توقیر حسین غفر اللہ لہ و عفا عنہ

۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

وکان اللہ لہ ولوالدیہ

بامداد یزدانی ـ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـ و فضلِ رحمانی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فِی الْمَبْدَأِ وَ الْمَعَادِ وَ اُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الْاَمْجَادِ اَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهٖ رِسَالَةٌ شَرِیْفَةٌ مُّتَضَمِّنَةٌ لِّاِشَارَاتٍ لَطِیْفَةٍ رَّائِقَةٍ وَّ اَسْرَارٍ دَقِیْقَةٍ فَائِقَةٍ لِّلْاِمَامِ الْهُمَامِ حُجَّةِ اللّٰهِ عَلَی الْاَنَامِ قُدْوَةِ الْاَقْطَابِ وَ الْاَوْتَادِ وَ قِبْلَةِ الْاَبْدَالِ وَ الْاَفْرَادِ کَاشِفِ اَسْرَارِ السَّبْعِ الْمَثَانِیْ اَلْمُجَدِّدِ لِلْاَلْفِ الثَّانِیْ الْاُوَیْسِیِّ الرَّحْمَانِیِّ الْعَارِفِ الرَّبَّانِیِّ شَیْخِ الْاِسْلَامِ وَ الْمُسْلِمِیْنَ شَیْخِنَا وَ اِمَامِنَا الشَّیْخِ **اَحْمَدَ** الْفَارُوْقِیِّ نَسَبًا وَّ الْحَنَفِیِّ مَذْهَبًا وَّ النَّقْشْبَنْدِیِّ مَشْرَبًا لَا زَالَ شُمُوْسُ هِدَایَتِهٖ عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی سَاطِعَةً وَّ النَّاسُ فِیْ رِیَاضِ اِفَاضَتِهٖ رَاتِعَةً وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَ عَلَیْهِ التُّکْلَانُ۔

١۔ **مِنْهَا** چوں ایں درویش را ہوسِ ایں راہ پیدا شد۔ عنایتِ خداوندی جَلَّ سُلْطَانُهٗ اورا بہ یکے از خلفائے خانوادۂ حضراتِ خواجہا قَدَّسَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَسْرَارَهُمْ رسانید۔ و ازاں جا طریقۂ ایں بزرگواران را اخذ کردہ، ملازم صحبتِ آں عزیز گشت۔ بہ برکتِ توجّہ

لہ الحمد للہ الذی انعم علینا وہدانا الی الاسلام وجعلنا من امۃ محمد علیہ الصلوۃ والسلام اما بعد فہذہ معارف علیۃ مقتبسۃ من الانفاس القدسیۃ للامام الہمام قدوۃ الاولیاء والاصفیاء قبلۃ الاقطاب فی الابدال، مربی الآحاد والافراد

آں بزرگ، جذبۂ خواجہا کہ از جہتِ استہلاک درصفتِ قیومیت می خیزد، اورا حاصل گشت۔ واز طریقِ اندراج النہایۃ فی البدایۃ نیز بہ شربی میسّر شد۔ بعد از تحققِ ایں جذبہ کارِ او بسلوک قرار یافت۔ وایں راہ را بتربیتِ روحانیت اسد اللہ الغالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تا بنہایت رسانید۔ یعنی باسمے کہ ربِّ اوست۔ وازاں اسم، بقابلیتِ اولیٰ کہ معبّر بحقیقتِ محمدیہ است، علیٰ صاحبِہا الصّلوٰۃ والسّلامُ والتحیۃ بمددِ روحانیتِ حضرت خواجہ نقشبند، قدّس اللہُ تعالیٰ سِرّہٗ عروج نمود۔ وازاں جا، بدستگیریِ روحانیتِ حضرتِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فوقِ آں قابلیت استعلا میسر شد۔ وازاں جا، تا بمقامے کہ فوقِ آں قابلیت است، وآں قابلیت کالتفصیل است، مر آں مقام را، وآں مقام اجمالِ اوست۔ وآں مقام مقامِ اقطابِ محمدیہ است۔ بتربیتِ روحانیتِ حضرتِ رسالتِ خاتمیت علیٰ صاحبِہا الصّلوٰۃ والسّلامُ والتحیۃ ترقی واقع شد۔ ودروقتِ وصول بایں مقام نحوی امداد از روحانیتِ حضرتِ خواجہ علاؤالدین عطارؒ، کہ خلیفۂ حضرتِ خواجہ نقشبند است، قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما، وقطبِ ارشاد است باں درویش رسید۔ نہایتِ عروجِ اقطاب تا ایں مقام است۔ ودائرۂ ظلیت تا ہمیں مقام منتہی می شود۔ بعد ازاں اصلِ خالص است یا ممتزج بظل۔ طائفۂ افراد بوصولِ ایں دولت ممتاز اند۔ بعضے از اقطاب را بواسطۂ مصاحبتِ افراد تا مقام ممتزج عروجے واقع می شود۔ ناظرِ اصلِ

ممتزج بظل می گردند. امّا وصول باصلِ خالص یا نظر بآں علی تفاوتِ درجاتِهِم خاصّا فرادست. ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. وایں درویش را خلعتِ قطبیتِ ارشاد، بعد از وصول بآں مقام که مقامِ اقطاب است، ازاں سرورِ دین و دنیا عَلَيْهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْمُبَارَكَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ النَّامِيَاتُ عنایت شد. و بایں منصب سرفراز ساختند.

بعد ازاں باز عنایتِ خداوندی جَلَّ شَانُهُ وَعَمَّ إِحْسَانُهُ شاملِ حالِ او گشت. و ازآں جا متوجہ فوق ساخت. یک دفعه تا باصلِ ممتزج برد، و فنائے و بقائے در آنجا میسر شد. چنانکه در مقاماتِ سابقه، و ازاں جا بمقاماتِ اصل ترقی ارزانی فرموده باصل الاصل رسانید. دریں عروجِ اخیر، که عروج در مقاماتِ اصل است، مدد از روحانیتِ حضرت غوثِ اعظم محی الدین شیخ عبدالقادر بود قدس الله تعالیٰ سرہ الاقدس، و بقوتِ تصرف ازاں مقامات گذرانیده، باصل الاصل واصل گردانیدند. و ازآں جا بعالم باز گردانیدند. چنانکه از هر مقامے باز می گردانیدند. و ایں درویش را مایهٔ نسبتِ فردیت که عروجِ اخیر مخصوص بآن ست، از پدرِ بزرگوارِ خود حاصل شده بود. و پدرِ بزرگوار او را از عزیزے که جذبهٔ قوی داشتند، و بخوارقِ مشهور بودند، بدست آمده. لیکن آں درویش بواسطهٔ ضعفِ بصیرتِ خویش و قلتِ ظهورِ آں نسبت، آں نسبت را پیش از قطعِ منازلِ سلوک

درخود نمی یافت. واصلاً آں را معلومِ خود نداشت. ونیز ایں درویش
را در توفیقِ عباداتِ نافلہ خصوصاً ادائے صلوٰۃِ نافلہ مددے از پدرِ
وے ست. و پدرِ بزرگوار او را ایں سعادت از شیخِ خود کہ در سلسلۂ
چشتیہ بودہ اند حاصل شدہ بود۔

وایضاً ایں درویش را عُلومِ لَدُنّی از روحانیتِ حضرتِ خضر علیٰ
نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ حاصل شدہ بود لیکن تا زمانے کہ
از مقامِ اقطاب نہ گذشتہ بود. اما بعد از عبور از آں مقام وحصولِ ترقیات
در مقاماتِ عالیہ اخذِ علوم از حقیقتِ خود ست. و در خود، بخود، از خود
می یابد. غیرے را مجال نماندہ است تا درمیان در آید۔

وایضاً آں درویش را در وقتِ نزول، کہ عبارت از سیر عن اللہ باللہ
است، بمقاماتِ مشائخ سلاسلِ دیگر ہم عبورے واقع شد. و از ہر مقام
نصیبے وافر فرا گرفت، و مشائخ آں مقام ممد و معاونِ کارِ او شدند
و از خلاصہ ہائے نسبتِ خویش نصیبے ارزانی داشتند. اول بمقامِ
اکابرِ چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم عبورے واقع شد. و از آں مقام
حظّے وافر نصیبِ او گشت. و از آں مشائخِ عظام روحانیتِ حضرتِ
خواجہ قطب الدینؒ بیش از دیگراں امداد فرمود. والحق ایشاں دراں
مقام شانِ عظیم دارند، و رئیسِ آں مقام اند۔

بعد ازاں بمقامِ اکابرِ کبرویہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم گذرے
واقع شد. ایں ہر دو مقام باعتبارِ عروج برابر اند. لیکن ایں مقام، در وقتِ

نزول از فوق در جانبِ یمینِ آں شاہراہ است، و مقامِ اول بجانبِ یسارِ آں صراطِ مستقیم۔ و ایں شاہراہ راہے ست کہ بعضے از اکابرِ اقطابِ ارشاد ازاں راہ بمقامِ فردیت می روند، و بنہایت النہایۃ می رسند۔ افرادِ تنہا را راہِ دیگر است۔ بے قطبیت ازیں راہ نمی تواں گذشت۔ ایں مقام درمیانِ مقامِ صفات و ایں شاہراہ واقع شدہ است۔ کانّہٗ برزخ است میانِ ایں دو مقام، از ہر دو جہت بہرہ ور است۔ و مقامِ اول در جانبِ دیگر ازاں شاہراہ واقع شدہ است کہ بصفات مناسبت کم دارد۔

بعد ازاں بمقامِ اکابرِ سہروردیّہ کہ شیخ شہاب الدین رئیسِ ایں طریق اند قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم عبور واقع شد۔ آں مقام متجلّی بنورِ اتباعِ سنت است عَلٰی مَصْدَرِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ ومتزیّن ست بنورانیتِ مشاہدۂ فوق الفوق۔ و توفیقِ عبادات رفیقِ آں مقام ست۔ بعضے از سالکانِ نارسیدہ کہ بعباداتِ نافلہ مشغول اند، و بآں آرام دارند، نصیبے ازاں مقام بواسطۂ مناسبت بآں مقام یافتہ اند۔ بالاصالت عباداتِ نافلہ مناسبِ آں مقام است۔ دیگراں را از مبتدیاں و منتہیاں بواسطۂ مناسبت بآں مقام است۔ و آں مقام بس شگرف ست۔ آں نورانیت کہ دریں مقام مشہود می شود در مقاماتِ دیگر کم است۔ و مشائخِ ایں مقام بواسطۂ کمالِ اتباع عظیم الشان و رفیع القدر اند، در ابنائے جنسِ خود امتیازِ تمام

دارند- آنچہ ایشاں را دریں مقام میسر شدہ است در مقاماتِ دیگر، اگرچہ باعتبارِ عروج فوق اند، میسر نیست۔

بعد ازاں بمقامِ جذبہ فرود آوردند- و ایں مقام جامع مقاماتِ جذباتِ بے اندازہ است۔ ازاں جا نیز فرود آوردند- نہایتِ مراتبِ نزول تا مقامِ قلب است کہ حقیقتِ جامعہ است۔ و ارشاد و تکمیل، بفرود آوردن بایں مقام تعلق دارد۔ دریں مقام فرود آوردند۔ پیش ازاں کہ دریں مقام تمکینے پیدا شود، باز عروجے واقع شد۔ ایں زماں اصل را نیز در رنگِ ظل واگذاشت۔ ازیں عروج کہ در مقامِ قلب واقع شد تمکین پیوست وَالسَّلام۔

۲- **منہا** قطبِ ارشاد کہ جامع کمالاتِ فردیت نیز باشد، بسیار عزیز الوجود است۔ و بعد از قرونِ بسیار و ازمنۂ بے شمار ایں قسم گوہرے بظہور می آید، و عالمِ ظلمانی از نورِ ظہورِ او نورانی می گردد و نورِ ارشاد و ہدایتِ او شاملِ تمام عالم ست۔ از محیطِ عرش تا مرکزِ فرش ہر کسے را کہ رشد و ہدایت و ایمان و معرفت حاصل می شود از راہِ او می آید، و از و مستفاد می گردد، بے توسطِ او ہیچ کس بایں دولت نمی رسد۔ مثلاً نورِ ہدایتِ او در رنگِ دریائے محیط تمام عالم را فرا گرفتہ است۔ و آں دریا گویا منجمد است کہ اصلاً حرکت ندارد۔ شخصے کہ متوجۂ آں بزرگ است و باو اخلاص دارد، یا آنکہ آں بزرگ متوجۂ حالِ طالبے شدہ، در وقتِ توجہ گویا روزنے در دلِ طالب کشادہ می شود۔

وازاں راہ بقدرِ توجہ و اخلاص اناں دریا سیراب می گردد۔ و ہمچنیں شخصے کہ متوجہ ذکرِ الٰہی ست جلّ شانہ، و باں عزیز اصلاً متوجہ نیست نہ از انکار، بلکہ او را نمی شناسد، ہمیں قسم افادۂ آں جا ہم حاصل می شود۔ ولیکن در صورتِ اولیٰ بیشتر از صورتِ ثانیہ است۔

اما شخصے کہ منکرِ آں بزرگ ست، یا آں بزرگ ازو در بار ست، ہر چند بذکرِ الٰہی تعالیٰ و تقدس مشغول ست، اما از حقیقتِ رشد و ہدایت محروم ست۔ ہماں انکارِ او سدِّ راہِ فیضِ او می گردد، بے آنکہ آں عزیز متوجہ عدمِ افادۂ او شود و قصدِ ضررِ او نماید۔ حقیقتِ ہدایت ازوے مفقود ست، صورتِ رشد ست و صورتِ بے معنی قلیل النفع است۔ و جماعۂ کہ اخلاص و محبت باں عزیز دارند، ہر چند از توجہ مذکور و ذکرِ الٰہی تعالیٰ شانہ خالی باشند، نیز ایشاں را بواسطۂ مجردِ محبت، نورِ رشد و ہدایت می رسد۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

۳۔ **منها** درے کہ اول بایں درویش کشادند ذوقِ یافت بود نہ یافت، و ثانیاً یافت میسر شد و ذوقِ یافت مفقود گشت۔ و ثالثاً یافت نیز در رنگِ ذوقِ یافت مفقود شد۔ فَالْحَالَةُ الثَّانِيَةُ حَالَةُ الْكَمَالِ وَالْوُصُوْلِ اِلٰى دَرَجَةِ الْوِلَايَةِ الْخَاصَّةِ۔ وَالْمَقَامُ الثَّالِثُ مَقَامُ التَّكْمِيْلِ وَالرُّجُوْعِ اِلَى الْخَلْقِ لِلدَّعْوَةِ۔ وَالْحَالَةُ السَّابِقَةُ كَمَالٌ فِيْ جِهَةِ الْجَذْبَةِ فَقَطْ۔ فَاِذَا انْضَمَّ اِلَيْهَا السُّلُوْكُ وَتَمَّ حَصَلَتِ الْحَالَةُ الثَّانِيَةُ ثُمَّ الثَّالِثَةُ۔ وَلَيْسَ

لِلْمَجْذُوْبِ الْمُجَرَّدِ عَنِ السُّلُوْكِ مِنَ الْعَالَةِ الثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ نَصِيْبٌ اَصْلًا۔ فَالْكَامِلُ الْمُكَمِّلُ هُوَ الْمَجْذُوْبُ السَّالِكُ، ثُمَّ السَّالِكُ الْمَجْذُوْبُ، وَمَا سِوَاهُمَا فَلَيْسَ بِكَامِلٍ وَلَا مُكَمِّلٍ اَصْلًا۔ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَاصِرِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَيْرِ الْبَشَرِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْاَطْهَرِ۔

۴۔ **منھا** ایں درویش، در اواخرِ ماہِ ربیع الآخر، بخدمتِ عزیزے کہ از خلفائے ایں خانوادہ بزرگ بودند، مشرف گشت۔ وطریقہ ایں بزرگواران را اخذ نمودہ در منتصفِ شہرِ رجبِ ہماں سال بحضورِ نقشبندیہ کہ دراں موطن اندراجِ نہایہ در بدایۃ ست مستعد گشت۔ وآں عزیز فرمود کہ نسبتِ نقشبندیہ عبارت ازیں حضور است۔ وبعد از دہ سالِ کامل وچند ماہ در نصفِ اول ماہِ ذی القعدہ، آں نہایتے کہ در بدایۃ از پسِ چندیں پردہائے بدایات واوساط جلوہ گر شدہ بود، خرقِ روپوش نمودہ، متجلّی گشت وبیقین پیوست۔ کہ در بدایۃ صورتے بود ازیں اسم، وشبحے[1] بود ازیں پیکر، واسمے بود ازیں مسمّی، شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ حقیقتِ کار ایں جا منکشف شد وسرِّ معاملہ ایں جا آشکارا گشت۔ مَنْ لَّمْ يَذُقْ لَمْ يَدْرِ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْاَنَامِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ۔

۵۔ **منھا** وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ؀ ایں درویش روزے در حلقۂ یارانِ خود نشستہ بود، ونظر بر خرابیہائے خود داشت۔

[1] بفتحتین سایہ کالبد وجسم جمع آں اشباح۔

واین نظر غالب آمده بود بحدیکه خود را بے مناسبتِ تام بایں وضع می یافت۔ دریں اثنا بحکم «مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ» ایں دُور افتاده را از خاکِ مذلّت برداشتند۔ واین ندا در سِرّ او در دادند۔ که «غَفَرْتُ لَكَ وَلِمَنْ تَوَسَّلَ بِكَ اِلَيَّ بِوَاسِطَةٍ اَوْ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ» وبتکرار ایں معنی نواختند، بحدیکه گنجائشِ ریب نماند۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ وَكَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ كَمَا يَحْرٰى۔ بعد ازاں بافشائے ایں واقعه مامور ساختند ؎

اگر پادشه بر درِ پیر زن　　　بیاید تو اے خواجه سبلت مکن

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔

۶۔ **منها** سیر الی الله، عبارت از سیر تا اسمے است از اسمائے الٰہی جلّ شانه، که مبدأ تعینِ سالک است۔ وسیرِ فی الله عبارت از سیر دراں اسم است۔ اِلٰى اَنْ يَّنْتَهِيَ اِلٰى حَضْرَةِ الذَّاتِ الْاَحَدِيَّةِ الْمُجَرَّدَةِ عَنْ اِعْتِبَارِ الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ وَالشُّيُوْنِ وَالْاِعْتِبَارَاتِ۔ وایں تفسیر بر تقدیرے راست آید که مراد از اسم مبارک «الله» مرتبۂ وجوب داشته شود، که مستجمع اسماء و صفات است۔ اما اگر مراد ازیں اسمِ مبارک «الله» ذاتِ بحت بوده باشد، پس سیر فی الله بمعنیٔ مذکور داخلِ سیر الی الله باشد۔ وسیر فی الله

اصلا بریں تقدیر متحقق نشود۔ چہ ایں سیر کہ در ذاتِ بحت است در نقطۂ نہایۃ النہایت متصور نیست
و بعد از رسیدن بآں نقطہ بے توقف رجوع بعالم است کہ معبّر بسیر
عن اللہ باللہ است۔ ایں معرفتے است کہ مخصوص بواصلانِ نہایۃ النہایۃ
است۔ غیرِ ایں درویش از اولیاء اللہ ہیچ کس بایں معرفت تکلم نہ کردہ
است۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاۗءُ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

۷۔ **منہا** در سیر کمالاتِ ولایت اقدام متفاوت اند۔ جمعے
باشند کہ استعدادِ حصولِ یک درجہ از درجاتِ ولایت دارند۔ و بعضے
دیگر استعدادِ دو درجہ دارند۔ و طائفہ را استعدادِ سہ درجہ است۔ و گروہے
را قابلیتِ چہار درجہ۔ و احادے باشند کہ مستعدِ پنج درجہ باشند۔ وَهُمُ
الْاَقَلُّوْنَ۔ حصولِ درجۂ اولیٰ ازیں درجاتِ پنجگانہ وابستہ بتجلّیِ افعال
است۔ و درجۂ ثانی منوط بتجلّیِ صفات۔ و درجاتِ ثلثۂ اخیرہ، مربوط
بتجلیاتِ ذاتیہ عَلٰی تَفَاوُتِ دَرَجَاتِهَا۔ اکثرے از یارانِ ایں درویش،
مناسبت بدرجۂ ثالثہ دارند از درجاتِ مذکورہ۔ و قلیلان مناسبت
بدرجۂ رابعہ، و اقلان مناسبت بدرجۂ خامسہ، کہ نہایتِ درجاتِ
ولایت است۔ و کمالیکہ نزد ایں درویش معتبر است ماورائے ایں
درجات است۔ بعد از زمانِ اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
اجمعین ایں کمال ظہور نیافتہ است کہ فوقِ کمالِ جذبہ و سلوک است۔
فردا انشاء اللہ تعالیٰ ایں کمال در حضرت مہدی رضی اللہ عنہ ظہور خواہد یافت۔

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ۔

۸۔ **منہا** واصلانِ نہایۃ النہایۃ را، در وقتِ رجوعِ قہقری، نزول باسفلِ غایات ست۔ ومصداقِ وصولِ نہایۃ النہایۃ ہمیں نزولِ غایۃ الغایۃ است۔ وچوں نزول بایں خصوصیت واقع می شود صاحبِ رجوع بکلیۃ خود متوجہ عالمِ اسباب می گردد۔ نہ آنکہ بعضِ او متوجہ جنابِ حق ست سبحانہ، وبعض دیگر متوجہ خلق، کہ ایں علامت عدمِ وصول است بنہایۃ النہایۃ، وعدمِ نزول ست بغایۃ الغایۃ۔ غَایَۃُ مَا فِی الْبَابِ، در وقتِ ادائے نماز کہ معراجِ مومن ست، لطائفِ صاحبِ رجوع را توجہِ خاص بجنابِ قدس جَلَّ سلطانہٗ می افتد، وتا ادائے نماز می ایستد، بعد از فراغِ نماز باز بکلیۃ متوجہ خلق می گردد۔ لیکن در وقتِ ادائے فرائض وسنن لطائفِ ستۃ متوجہ جنابِ قدس می گردند، ودر وقتِ ادائے نوافل أَلطَفِ ایں لطائف متوجہ اند فقط۔ حدیث لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ تواند بود کہ اشارت بایں وقتِ خاص باشد، کہ مخصوص بہ نماز است، وقرینہ برتعینِ ایں اشارت حدیث قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ تواند بود۔ وعلاوہ ایں قرینہ کشفِ صحیح است والہامِ صریح۔ ایں معرفت از معارفِ مخصوصہ ایں درویش است۔ مشائخ ایں کمال را در جمع بین التوجہین دانستہ اند وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔

نہایۃ النہایۃ
غایۃ الغایۃ

الہامی معرفت

۹- منها مشائخ فرموده اند که مشاهدهٔ اهل الله بعد از وصول بمرتبهٔ ولایت در انفس ست. مشاهدهٔ آفاقی که در سیر الی الله در اثنائے راه میسر شده بود معتبر نیست۔ و آنچه بر این درویش منکشف گردانیده اند، آن ست که مشاهده در انفس نیز در رنگِ مشاهده در آفاق معتبر نیست۔ آں مشاهده نه مشاهدهٔ حقیقتِ حق است سبحانه۔ او تعالیٰ بے چون و بے چگونه است۔ در آئینهٔ چون گنجائش ندارد، چه آئینهٔ آفاق و چه آئینهٔ انفس۔ او سبحانه نه داخلِ عالم است نه خارج، نه متصل است بعالم و نه منفصل از عالم، شهود و رؤیتِ او تعالیٰ نیز نه در عالم ست و نه درخارجِ عالم، نه اتصال بعالم دارد و نه انفصال از عالم، لهذا رویتِ اُخروی را بلاکیف گفته اند از حیطهٔ عقل و وهم خارج است۔ در دنیا این سر را بر خواص الخواص منکشف گردانیده اند۔ هر چند رویت نیست کالرویت است۔ این دولتِ عظمیٰ است که بعد از زمانِ اصحاب رضوان الله تعالیٰ علیهم اجمعین، کم کسے باین دولت مستعد گشته است۔ هر چند این سخن امروز مستبعد می نماید و مقبولِ اکثرے نمی گردد۔ امّا اظهارِ نعمتِ عظمیٰ می نماید۔ کوته اندیشاں قبول کنند یا نه۔ و این نسبت باین خصوصیت فردا در حضرت مهدی ظهور خواهد یافت۔ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالىٰ، وَالسَّلَامُ عَلىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفىٰ صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَتَسْلِيْمَاتُهُ عَلَيْهِ وَعَلىٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

۱۰- منها چوں طالبے پیش شیخے بیاید، باید کہ شیخ اورا اول استخارہ فرماید. از سہ استخارہ تا ہفت استخارہ تکرار نماید. بعد از استخارہا اگر تذبذبے در طالب پیدا نشد، شروع درکارِ او نماید. اول اورا طریقِ توبہ تعلیم دہد، و دو رکعت نمازِ توبہ گزاردن فرماید، کہ بے حصولِ توبہ دریں راہ قدم زدن سودمند نیست. اما باید کہ در حصولِ توبہ بقدرِ اجمال اکتفا نماید. و تفصیلِ آنرا بمرورِ ایام حوالہ کند کہ ہمم دریں اوان بسیار قاصر اند. اگر اول تکلیفِ تحصیلِ تفصیلِ توبہ کردہ شود ناچار حصولِ آں مدتے طلبد. شاید دریں مدت فتورے در طلبِ اُو رود، و از مطلب باز ماند، بلکہ توبہ را ہم سر انجام نہ دہد. بعد ازاں طریقے کہ مناسبِ استعدادِ طالب است تعلیم نماید، و ذکرے کہ ملایم قابلیتِ اوست تلقین فرماید. و توجہے بکارِ او درکار دارد. و التفاتے بحالِ او مرعی نماید. و آداب و شرائطِ راہ را باو بیان سازد. و در متابعتِ کتاب و سنت و آثارِ سلفِ صالحین ترغیب فرماید. و وصولِ مطلوب را بے ایں متابعت محال داند. و اعلام نماید کہ کشوف و وقائع کہ سرِ موئے مخالفت بکتاب و سنت داشتہ باشد اعتبار نکند، بلکہ مستغفر باشد. و بتصحیح عقائد بمقتضائے آرائے فرقۂ ناجیۂ اہلِ سنت و جماعت نصیحت نماید. و بتعلیم احکام فقہیۂ ضروریہ و عمل بموجبِ آں علم تاکید فرماید. کہ طیران دریں راہ بے ایں دو جناحِ اعتقادی و عملی میسر نیست. و تاکید نماید کہ در لقمۂ محرم و مشتبہ احتیاط را نیک مرعی دارد، و ہر چہ یابد نخورد، و از ہر جا کہ بیاید

تناول نہ نماید، تا فتویٰ شریعتِ غرّا دریں باب درست نکند۔ بالجملہ در جمیع امور کریمۂ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا را نصبِ عین خود سازد۔ حالِ طالبان از دو امر خالی نیست، یا از اہلِ کشف و معرفت اند یا از اربابِ جہل و حیرت۔ اما بعد از طیِّ منازل و دفعِ حجب ہر دو طائفہ واصل اند۔ در نفسِ وصول مزیتے نیست یکے را بر دیگرے، چنانکہ دو شخص بعد از طیِّ منازلِ بعیدہ بکعبہ می رسند، یکے منازلِ راہ را تماشا کردہ رفت و بتفصیل ہر کدام از منازل را بقدرِ استعدادِ خود دانستہ رسید۔ و دیگرے از منازلِ راہ چشم دوختہ رفت، و بتفصیل اطلاع نیافتہ، بکعبہ رسیدہ۔ ہر دو شخص در نفسِ وصول بکعبہ مساوی اند، ہیچ کدام را زیادتی نیست دریں وصول بر دیگرے، اگرچہ در معرفتِ منازلِ راہ متفاوت افتادہ اند۔ و بعد از رسیدن بمطلوب ہر دو را جہل لازم است۔ لِاَنَّ الْمَعْرِفَۃَ فِیْ ذَاتِ اللہِ تَعَالٰی جَھْلٌ وَعَجْزٌ عَنِ الْمَعْرِفَۃِ۔ باید دانست کہ قطعِ منازلِ سلوک عبارت از طیِّ مقاماتِ عشرہ است۔ و طیِّ مقاماتِ عشرہ منوط بایں تجلیاتِ ثلثہ است تجلیٔ افعال و تجلیٔ صفات و تجلیٔ ذات۔ و ایں مقامات غیر از مقامِ رضا ہمہ وابستہ بتجلیٔ افعال و تجلیٔ صفات اند، و مقامِ رضا منوط بتجلیٔ ذات است، تَعَالٰی وَتَقَدَّسَ، و بمحبتِ ذاتیہ کہ مستلزم مساواتِ ایلام محبوب است بانعامِ او نسبت بمحب۔ پس لا جرم رضا متحقق شود و کراہت برخیزد۔ و ہمچنیں بلوغ ایں جمیع مقامات،

بحدِ کمال، در وقتِ حصولِ تجلیِ ذاتی است که فنائے اتم وابستہ بآنست۔ اما حصولِ نفسِ مقاماتِ تسعہ در تجلیٔ افعال و تجلیٔ صفات است۔ مثلاً ہرگاہ قدرت اور اسبحانہ بر خود و بر جمیعِ اشیا مشاہدہ نماید، بے اختیار بتوبہ و انابت رجوع کند، و خائف و ترساں باشد، و ورع شیوۂ خود سازد، و بر تقدیراتِ او صبر پیش گیرد، و بے طاقتی بگذارد۔ و چوں مولائے نعم او را داند، و اعطا و منع از و شناسد، سبحانہ، ناچار در مقامِ شکر آید، و در توکل قدمِ راسخ نہد۔ و چوں عطوفت و مہربانی متجلی شود در مقامِ رجا در آید، و چوں عظمت و کبریائی او مشاہدہ نماید، و دنیائے دنی در نظرِ او خوار و بے اعتبار در آید، ناچار بے رغبتی در دنیا پیدا شود، و فقر اختیار کند، و زہد دیدنِ خود گیرد۔ اما باید دانست کہ حصولِ ایں مقامات بتفصیل و ترتیب مخصوص بسالکِ مجذوب است۔ و مجذوبِ سالک را طےِ ایں مقامات بر سبیلِ اجمال است۔ چہ او را عنایتِ ازلی گرفتارِ محبتے ساختہ است، کہ بتفصیل آنہا نمی تواند پرداخت۔ در ضمنِ آں محبت زبدۂ ایں مقامات، و خلاصۂ ایں منازل، بروجہِ اتم او را حاصل ست۔ کہ صاحبِ تفصیل را میسر نشدہ است۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

۱۱۔ **منها** طالب را باید کہ اہتمام در نفیِ آلہۂ باطلۂ آفاقی و انفسی نماید، و در جانبِ اثباتِ معبودِ حق، ہر چہ در حوصلۂ فہم و وہم او در آید، آنرا نیز در تحتِ نفی داخل سازد، و اکتفا بموجودیتِ آں نماید۔ اگرچہ وجود را ہم دراں موطن گنجائش نیست۔ ماورائے

وجود باید طلبید. علمائے اہلِ سنت زیبا گفتہ اند کہ وجودِ واجب تعالیٰ زائد است بر ذاتِ او سبحانہٗ۔ وجود را عینِ ذات گفتن، و ورائے وجود، امرِ دیگر اثبات ناکردن، از قصورِ نظر است۔ قَالَ الشَّیْخُ عَلَاءُ الدَّوْلَۃِ "فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِکِ الْوَدُوْدِ" ایں درویش را، چوں از عالمِ وجود بالا گذرانیدند تا چندگاہ کہ مغلوبِ حال بود خود را از روئے علمِ تقلیدی از اہلِ اسلام می شمرد۔ بالجملہ ہر چہ در حوصلۂ ممکن درآید بطریقِ اولیٰ ممکن شاید۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَیْہِ سَبِیْلًا اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ۔ گمان نکنند کہ ازیں فنا فی اللہ و بقا باللہ ممکن واجب گردد۔ چہ آں محال است، و مستلزمِ قلبِ حقایق۔ پس چوں ممکن واجب نگردد غیر از عجز از ادراکِ واجب تعالیٰ نصیبِ ممکن نباشد ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ؛ کانجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

بلند ہمتی ہمیں طور مطلب را می خواہد کہ ہیچ از وے بدست نیاید، و ہیچ نام و نشان از وے پیدا نشود۔ جمعے ہستند کہ مطلبے می خواہند کہ آں را عینِ خود یابند، و قرب و معیت با وے پیدا سازند۔ ع

آں ایشانند من چنینم یا رب

والسلام

۱۲۔ **منہا** حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس فرمودہ اند کہ آئینۂ ہر یک از مشائخ را دو جہت ست و آئینۂ مرا شش جہت، ماناکہ[1] ایں کلمۂ قدسیہ را تا ایں زمان ہیچ یکے از خلفائے

[1] لفظ مانا برائے معنی شک و یقین ہر دو آمدہ۔

این خانوادۂ بزرگ بیان نکردہ است، بلکہ باشارہ و رمز ہم دراں باب سخن نزاندہ۔ این حقیر قلیل البضاعۃ راچہ رسد کہ در شرحِ آں اقدام نماید و در کشفِ آں زبان کشاید۔ اما چوں حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ بمحضِ فضلِ خویش سرِّ این معمّا را بر این حقیر بکشود، و حقیقتِ آں کما ینبغی وانمود، بخاطر ریخت کہ این دُرِّ مکنون را بہ بنانِ[۱] بیان در سلکِ تحریر کشد، و بزبانِ ترجمان در حیزِ تقریر آید۔ بعد از ادائے استخارہ شروعے دراں باب نمودہ آمد۔ وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہُ الْعِصْمَۃُ وَالتَّوْفِیْقُ۔

باید دانست کہ مراد از آئینہ، قلبِ عارف ست کہ برزخ ست بین الرّوح والنّفس، و از دو جہت، جہتِ روح و جہتِ نفس مراد داشتہ اند۔ پس مشایخ را در وقتِ وصول بمقامِ قلب ہر دو جہتِ آں منکشف می گردد، و علوم و معارفِ آں ہر دو مقام کہ مناسبِ قلب است فائض می شود۔ بخلافِ طریقے کہ حضرتِ خواجہ بآں ممتاز اند، و نہایت دراں موطن در بدایۃ مندرج است، آئینۂ قلب را دراں طریق شش جہت پیدا می شود۔ بیانش آں ست کہ بر اکابرِ این طریقہ علیہ منکشف گردانیدہ اند کہ ہر چہ در کلیۃِ افرادِ انسانی ثابت ست از لطائفِ ستّہ در قلب تنہا نیز متحقق ست، از نفس و قلب و روح و سرّ و خفی و اخفیٰ، کہ از شش جہت این شش لطیفہ مراد داشتہ اند۔ پس سیرِ سائرِ مشائخ برظاہرِ قلب ست، و سیرِ این بزرگواراں در باطنِ

۱۔ بنان، سرِ انگشت۔

قلب. و بایں سیرِ باطنِ بطونِ آں می رسند، و علوم و معارف ایں ہر شش لطیفہ در مقامِ قلب منکشف می گردند، اما علومے[1] کہ مناسبِ مقامِ قلب اند. ایں است بیانِ کلمۂ قدسیہ حضرت خواجہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ. ایں حقیر را دریں مقام ببرکتِ ایں بزرگواراں مزید بر مزید است، و تدقیق بعد تحقیق و بحکمِ کریمہ "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" رمزے ازاں مزید و اشارتے ازاں تدقیق می نماید. وَمِنْهُ سُبْحَانَهُ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيْقُ.

بدانکہ قلبِ قلب نیز متضمن لطائف است بر قیاسِ قلب. لیکن در قلبِ قلب بواسطۂ تنگیِ دائرہ یا سرِّ دیگر دو لطیفہ از لطائفِ ستۂ مذکورہ بطریقِ جزئیۃ ظاہر نمی شوند. لطیفۂ نفس و لطیفۂ اخفیٰ. وَكَذَا الْحَالُ فِي الْقَلْبِ الَّذِيْ فِي الْمَرْتَبَةِ الثَّالِثَةِ اِلَّا اَنَّهُ لَا يَظْهَرُ فِيْهَا الْخَفِيُّ اَيْضًا وَكَذَا الْحَالُ فِي الْقَلْبِ الَّذِيْ فِي الْمَرْتَبَةِ الرَّابِعَةِ اِلَّا اَنَّهُ لَا يَظْهَرُ فِيْهِ السِّرُّ اَيْضًا مَعَ ظُهُوْرِ الْقَلْبِ وَالرُّوْحِ فِيْهِ وَ فِي الْمَرْتَبَةِ الْخَامِسَةِ لَا يَظْهَرُ الرُّوْحُ فِيْهِ اَيْضًا فَمَا بَقِيَ اِلَّا قَلْبٌ مَحْضٌ وَبَسِيْطٌ صِرْفٌ لَا اعْتِبَارَ فِيْهِ لِشَيْءٍ اَصْلًا.

وَمِمَّا يَنْبَغِيْ اَنْ يُعْلَمَ هٰهُنَا مِنْ بَعْضِ الْمَعَارِفِ الْعَالِيَةِ لِيُتَوَسَّلَ بِهِ اِلٰى مَا هُوَ نِهَايَةُ النِّهَايَةِ وَغَايَةُ الْغَايَةِ فَاَقُوْلُ بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ اِنَّ جَمِيْعَ مَا ظَهَرَ فِي الْعَالَمِ الْكَبِيْرِ تَفْصِيْلًا فَهُوَ ظَاهِرٌ فِي الْعَالَمِ الصَّغِيْرِ اِجْمَالًا. وَنَعْنِيْ بِالْعَالَمِ الصَّغِيْرِ الْاِنْسَانَ فَاِذَا

[1] یعنی علوم و معارف کہ غیر مناسب ایں مقام اند.

صُقِلَ الْعَالَمُ الصَّغِيرُ وَنُوِّرَ ظَهَرَ فِيهِ بِطَرِيقِ الْمِرْآتِيَّةِ جَمِيعُ مَا فِي الْعَالَمِ الْكَبِيرِ تَفْصِيلًا لِأَنَّهُ بِالصِّقَالَةِ وَالتَّنْوِيرِ قَدِ اتَّسَعَ وِعَاؤُهُ فَزَالَ حُكْمُ صِغَرِهِ. وَكَذَا الْحَالُ فِي الْقَلْبِ الَّذِي نِسْبَتُهُ مَعَ الْعَالَمِ الصَّغِيرِ كَنِسْبَةِ الْعَالَمِ الصَّغِيرِ مَعَ الْعَالَمِ الْكَبِيرِ مِنَ الْإِجْمَالِ وَالتَّفْصِيلِ. فَإِذَا صُقِلَ الْعَالَمُ الْأَصْغَرُ الَّذِي هُوَ عَالَمُ الْقَلْبِ وَدُفِعَتِ الظُّلْمَةُ الطَّارِيَةُ عَلَيْهِ ظَهَرَ فِيهِ بِطَرِيقِ الْمِرْآتِيَّةِ أَيْضًا مَا فِي الْعَالَمِ الصَّغِيرِ تَفْصِيلًا. وَهٰكَذَا الْحَالُ فِي قَلْبِ الْقَلْبِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْقَلْبِ مِنَ الْإِجْمَالِ وَالتَّفْصِيلِ وَظُهُورِ التَّفْصِيلِ فِيهِ بَعْدَ أَنْ كَانَ مُجْمَلًا بِسَبَبِ التَّصْفِيَةِ وَالنُّورَانِيَّةِ وَعَلَى هٰذَا الْقِيَاسِ الْقَلْبُ الَّذِي فِي الْمَرْتَبَةِ الثَّالِثَةِ وَالْقَلْبُ الَّذِي فِي الْمَرْتَبَةِ الرَّابِعَةِ فِي الْإِجْمَالِ وَالتَّفْصِيلِ وَظُهُورِ التَّفْصِيلِ الَّذِي فِي الْمَرَاتِبِ السَّابِقَةِ فِيهِمَا بِسَبَبِ الصِّقَالَةِ وَالنُّورَانِيَّةِ. وَكَذَا الْقَلْبُ الَّذِي فِي الْمَرْتَبَةِ الْخَامِسَةِ فَإِنَّهُ مَعَ بَسَاطَتِهِ وَعَدَمِ اعْتِبَارِ شَيْءٍ فِيهِ يَظْهَرُ فِيهِ بَعْدَ التَّصْفِيَةِ الْكَامِلَةِ مَا ظَهَرَ فِي جَمِيعِ الْعَوَالِمِ مِنَ الْعَالَمِ الْكَبِيرِ وَالصَّغِيرِ وَالْأَصْغَرِ وَمَا بَعْدَهَا مِنَ الْعَوَالِمِ كَمَا مَرَّ. فَهُوَ الضَّيِّقُ الْأَوْسَعُ وَالْبَسِيطُ الْأَبْسَطُ وَالْأَقَلُّ الْأَكْثَرُ وَمَا خُلِقَ شَيْءٌ مِنَ الْأَشْيَاءِ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ وَمَا وُجِدَ أَحَدٌ أَشَدُّ مُنَاسَبَةً بِصَانِعِهِ تَعَالَى وَتَقَدَّسَ مِنْ هٰذِهِ اللَّطِيفَةِ الْبَدِيعَةِ فَلَا جَرَمَ يَظْهَرُ فِيهِ مِنْ عَجَائِبِ آيَاتِ صَانِعِهِ سُبْحَانَهُ مَا لَا يَظْهَرُ

في احد من خلقه ولذا قال تعالى في الحديث لا يسعني ارضي ولا سمائي ولكن يسعني قلب عبدي المؤمن. والعالم الكبير وان كان اوسع المرايا للظهور الا انه لكثرته وتفصيله لا مناسبة له مع من لا كثرة فيه اصلا ولا تفصيل فيه اساسا والحري للمناسبة هو الضيق لا الاوسع والبسيط لا الابسط والاقل لا الاكثر كما لا يخفى. فاذا بلغ العارف الاتم معرفة والاكمل شهودا هذا المقام العزيز وجوده والشريف رتبته يصير ذلك العارف قلبا للعوالم كلها والظهورات جميعها وهو المتحقق بالولاية المحمدية والمشرف بالدعوات المصطفوية على صاحبها الصلوة والسلام والتحية.

فالاقطاب والاوتاد والابدال داخلون تحت دائرة ولايته والافراد والاحاد وسائر فرق الاولياء مندرجون تحت انوار هدايته لما هو النائب مناب رسول الله والمهدي بهدي حبيب الله. وهذه النسبة الشريفة العزيز وجودها مخصوصة باخص المرادين وليس للمريدين من هذا الكمال نصيب. هذا هو النهاية العظمى والغاية القصوى ليس فوقه كمال ولا اكرم منه نوال لو وجد بعد الوف سنة مثل هذا العارف لاغتنم ويسري بركته الى مدد مديدة واجال متباعدة وهو الذي كلامه دواء ونظره شفاء وحضرت المهدي

سَيُوجَدُ عَلٰى هٰذِهِ النِّسْبَةِ الشَّرِيْفَةِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْخَيْرَةِ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

وَحُصُوْلُ هٰذِهِ الدَّوْلَةِ الْقُصْوٰى مَنُوْطٌ بِإِتْمَامِ طَرِيْقَيِ السُّلُوْكِ وَالْجَذْبَةِ تَفْصِيْلًا مَرْتَبَةً بَعْدَ مَرْتَبَةٍ وَإِكْمَالِ مَقَامِ الْفَنَاءِ الْأَتَمِّ وَالْبَقَاءِ الْأَكْمَلِ دَرَجَةً بَعْدَ دَرَجَةٍ وَهٰذَا لَا يَتَيَسَّرُ إِلَّا بِكَمَالِ مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَحَبِيْبِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ أَكْمَلُهَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنَا مِنْ مُتَابِعِيْهِ وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ كَمَالُ مُتَابَعَتِهٖ وَالثَّبَاتُ عَلَيْهِ وَالْإِسْتِقَامَةُ عَلٰى شَرِيْعَتِهٖ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنًا۔ وَهٰذِهِ الْمَعَارِفُ مِنَ الْأَسْرَارِ الدَّقِيْقَةِ وَالرُّمُوْزِ الْخَفِيَّةِ مَا تَكَلَّمَ بِهَا أَحَدٌ مِنْ أَكَابِرِ الْأَوْلِيَاءِ وَمَا أَشَارَ إِلَيْهَا وَاحِدٌ مِنْ أَعَاظِمِ الْأَصْفِيَاءِ إِسْتَأْثَرَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ هٰذَا الْعَبْدَ بِهٰذِهِ الْأَسْرَارِ وَأَفْشَاهَا بِصَدَقَةِ حَبِيْبِهٖ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَلَنِعْمَ مَا قَالَ فِي الشِّعْرِ الْفَارِسِيِّ ؎

گر پادشہ بردرِ پیرزن | بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

لَيْسَ قَبُوْلُهٗ تَعَالٰى مُعَلَّلًا بِشَيْءٍ وَلَا مُسَبَّبًا بِسَبَبٍ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ أَتَمَّ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلَى الْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعَلٰى

عِبَادِهِ الصّالِحِیْنَ. وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

۳۱۔ **منہا** روح از عالمِ بے چونی است، پس لامکانیت او را متحقق باشد۔ ہرچند بے چونیٔ او نسبت بمرتبۂ وجوب تعالت و تقدست عینِ چون ست۔ ولامکانیتِ او نظر بہ لامکانیِ حقیقی جَلَّ سُلطانُہٗ عینِ مکانیت۔ گویا عالمِ ارواح برزخ است درمیانِ آں عالم و مرتبۂ بے چونی، پس ہر دو رنگ دارد۔ ناچار عالمِ چون او را بیچون می داند، و نظر بمرتبۂ بے چونی عینِ چون ست، و ایں نسبتِ برزخیت او را باعتبارِ فطرتِ اصلیٔ اوست۔

اما بعد از تعلق بایں بدنِ عنصری و گرفتاری بایں ہیکلِ ظلمانی او از برزخیت برآمدہ است، و بتمام بعالمِ چون فرود آمدہ، و رنگِ بیچونی از وے متواری گشتہ بمثلِ او بمثلِ ہاروت ماروت است کہ بواسطۂ بعضے حِکَم و مصالح ارواحِ ملائکہ بتخصیصِ بشریت فرود آمدہ اند چنانچہ گفتہ اند پس اگر عنایتِ خداوندی جل شانہٗ دستگیری نماید و ایں سفر رجوع واقع شود۔ و ازیں تنزل عروجے فرماید، نفسِ ظلمانی و بدنِ عنصری نیز بمتابعتِ او عروجے خواہند نمود، و طےِ منازل خواہند فرمود۔ و دریں ضمن آنچہ مقصود از تعلقِ روح و تنزلِ اوست بظہور خواہد آمد، و امارہ باطمینان خواہد پیوست۔ و ظلمانی بنورانی مبدّل خواہد گشت۔ و چوں روح ایں سفر را تمام کند آنچہ مقصود از

[1] یعنی اہلِ تفسیر ذاکر تفسیر۔

نزول بود بانجام رساند، به برزخیتِ اصلی خواہد رسید. ونہایت در رجوع به بدایت خواہد یافت، وچوں قلب از عالمِ ارواح است، نیز در برزخیت توطن خواہد نمود، ونفسِ مطمئنہ کہ رنگے از عالمِ امر دارد چہ او برزخ ست میانِ قلب وبدن نیز ہمانجا اقامت خواہد نمود، وبدنِ عنصری کہ مرکب از عناصرِ اربعہ است بعالمِ کون ومکان استقرار خواہد یافت، وبطاعت وعبادت خواہد پرداخت۔ بعدازیں اگر سرکشی ومخالفت واقع شود فی الجملہ منسوب بطبائعِ عناصر خواہد بود، مثلاً جزوِ ناری کہ بالذات سرکش ومخالفت طلب ست در رنگِ ابلیسِ لعین ندائے أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خواہد برآورد، ونفسِ مطمئنہ کہ از سرکشی باز ماندہ است چہ او از حق جل سلطانہ راضی گشتہ، وحق سبحانہ از وے راضی ومرضی گشتہ، وسرکشی از راضی ومرضی متصور نیست۔ اگر سرکشی است از قالب ست۔ ماناکہ سَیِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا تعبیر بجہادِ اکبر ازیں سرکشیٔ ابلیسی فرمودہ باشند، کہ منشاءِ آں جزوِ قالبی است۔ وآنکہ فرمودہ اند "اَسْلَمَ شَيْطَانِيْ" مراد ازاں یا شیطانِ آفاقی ست کہ قرینِ اوست علیہ الصلوٰۃ والسلام، ومراد ایں جا شیطانِ انفسی است، ہرچند صولتِ ایں شیطان نیز شکستہ است واز تمرد باز ماندہ، اَمَّا مَا بِالذَّاتِ لَا يَنْفَكُّ عَنِ الذَّاتِ ع

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ ست

ویا مراد ازاں شیطانِ انفسی است۔ واسلامِ آں مستلزمِ انتفائے سرکشی

بالکلیہ نیست، با وجودِ اسلام۔ اگر ترکِ عزیمت خواہد و مرتکبِ رخصت گردد
جائز است، و اگر صغیرہ بوجود آید کہ درآں حسنہ نباشد ہم گنجایش دارد۔
بلکہ حسنۂ ابرار کہ نزدِ مقربان سیئہ است نیز ازیں قبیل است۔ ایں ہمہ اقسامِ
سرکشی است و ایں بقائے سرکشی ازوے ازبرائے اصلاح و ترقی اوست۔
چہ بعد از حصولِ ایں امور کہ نہایتِ نقص دراں بحصولِ ترکِ اولیٰ است۔
آں قدر ندامت و پشیمانی و توبہ و استغفار دست می دہد، کہ موجبِ
ترقیاتِ بے نہایت می گردد۔ و چوں بدنِ عنصری در مقرِ خود استقرار
یافت، بعد از مفارقتِ لطائفِ ستہ و عروجِ آنہا در عالمِ امر ہر آئینہ
خلیفۂ آنہا دریں عالم ہمیں بدن خواہد ماند و کارِ ہمہ آنہا خواہد کرد۔
بعد ازیں اگر الہام است بر ہمیں مضغہ است، کہ خلیفۂ حقیقتِ
جامعہ قلبیہ است، و آنچہ در حدیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام
آمدہ است "مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ
الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ" مراد ازیں قلب، واللہ سبحانہ اعلم،
ہمیں مضغہ است۔ و در احادیثِ دیگر ایں مراد متعین است، کما
قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ" عروضِ
غین بر مضغہ است نہ بر حقیقتِ جامعہ، کہ او بکلیت از غین برآمدہ است،
و در احادیثِ دیگر آمدہ از تقلبِ قلب کما قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ" الخ۔
وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ كَرِيْشَةٍ فِيْ اَرْضٍ فَلَاةٍ" الخ۔

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ فَاِمْكَانُ التَّقَلُّبِ وَعَدَمُ الثَّبَاتِ ثَابِتَةٌ لِهٰذِهِ الْمُضْغَةِ لِاَنَّ الْحَقِيْقَةَ الْجَامِعَةَ لَا تَقَلُّبَ لَهَا اَصْلًا بَلْ هِيَ مُطْمَئِنَّةٌ رَاسِخَةٌ عَلَى الْاِطْمِيْنَانِ وَالْخَلِيْلُ عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ حَيْثُ طَلَبَ الْاِطْمِيْنَانَ لِلْقَلْبِ اَرَادَ بِهِ الْمُضْغَةَ لَا غَيْرُ لِاَنَّ قَلْبَهُ الْحَقِيْقِيَّ قَدْ كَانَ مُطْمَئِنًّا بِلَا رَيْبٍ بَلْ نَفْسُهُ اَيْضًا كَانَتْ مُطْمَئِنَّةً بِسِيَاسَةِ قَلْبِهِ الْحَقِيْقِيِّ۔ قَالَ صَاحِبُ الْعَوَارِفِ قُدِّسَ سِرُّهُ اِنَّ الْاِلْهَامَ صِفَةُ النَّفْسِ الْمُطْمَئِنَّةِ الَّتِيْ عُرِجَتْ فِيْ مَقَامِ الْقَلْبِ وَاِنَّ التَّلْوِيْنَاتِ وَالتَّقْلِيْبَاتِ ح تَكُوْنُ صِفَاتِ النَّفْسِ الْمُطْمَئِنَّةِ وَهُوَ كَمَا تَرٰى مُخَالِفٌ لِلْاَحَادِيْثِ الْمَذْكُوْرَةِ وَلَوْ تَيَسَّرَ الْعُرُوْجُ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ الَّذِيْ اَخْبَرَ الشَّيْخُ عَنْهُ لَعَلِمَ الْاَمْرَ كَمَا هُوَ عَلَيْهِ وَلَاحَ صِدْقُ مَا اَخْبَرْتُ بِهِ وَطَابَقَ الْكَشْفُ وَالْاِلْهَامُ بِالْاَخْبَارَاتِ النَّبَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ۔ وَلَقَدْ تَعْلَمُ اَنَّ مَا اَخْبَرْتُ بِهِ مِنْ خِلَافَةِ الْمُضْغَةِ وَوُرُوْدِ الْاِلْهَامِ عَلَيْهَا وَصَيْرُوْرَتِهَا صَاحِبَ اَحْوَالٍ وَتَلْوِيْنَاتٍ مِمَّا كَبُرَ عَلَى الْمُتَعَصِّبِيْنَ الْجَاهِلِيْنَ الْقَاصِرِيْنَ عَنْ حَقِيْقَةِ الْاَمْرِ وَثَقُلَ عَلَيْهِمْ۔ فَمَاذَا يَقُوْلُوْنَ فِي الْاَخْبَارِ النَّبَوِيَّةِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ حَيْثُ قَالَ اِنَّ فِيْ جَسَدِ بَنِيْ اٰدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

جَعَلَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ الْمُضْغَةَ هِيَ الْقَلْبَ عَلٰى سَبِيْلِ الْمُبَالَغَةِ وَنَاطَ صَلَاحَ الْجَسَدِ وَفَسَادَهٗ بِصَلَاحِهَا وَفَسَادِهَا، فَيَجُوْزُ لِهٰذِهِ الْمُضْغَةِ مَا يَجُوْزُ لِلْقَلْبِ الْحَقِيْقِيِّ وَاِنْ كَانَ عَلٰى سَبِيْلِ النِّيَابَةِ وَالْخِلَافَةِ۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الرُّوْحَ لَمَّا فَارَقَ الْجَسَدَ بِالْمَوْتِ الَّذِیْ هُوَ قَبْلَ الْمَوْتِ وَجَدَ الْعَارِفُ الْوَاصِلُ رُوْحَهٗ غَيْرَ دَاخِلٍ فِي الْجَسَدِ وَلَا خَارِجٍ عَنْهُ وَلَا مُتَّصِلٍ مَعَهٗ وَلَا مُنْفَصِلٍ عَنْهُ وَوَجَدَ اَنَّ لِلرُّوْحِ تَعَلُّقًا مَعَ الْجَسَدِ لِصَلَاحِ الْجَسَدِ بَلْ لِغَرَضٍ يَعُوْدُ اِلَى الرُّوْحِ كَمَا لَهٗ اَيْضًا وَذٰلِكَ التَّعَلُّقُ هُوَ مَنْشَأُ الصَّلَاحِ وَالْخَيْرِ فِي الْجَسَدِ وَلَوْلَا ذٰلِكَ التَّعَلُّقُ لَصَارَ الْجَسَدُ بِحَذَافِيْرِهٖ شَرًّا وَنُقْصَانًا۔

وَهٰكَذَا الْحَالُ لِلْوَاجِبِ تَعَالٰى مَعَ الرُّوْحِ وَغَيْرِهٖ فَاِنَّهٗ تَعَالٰى غَيْرُ دَاخِلٍ فِي الْعَالَمِ وَلَا خَارِجٍ عَنْهُ وَلَا مُتَّصِلٍ مَعَهٗ وَلَا مُنْفَصِلٍ عَنْهُ وَلَهٗ سُبْحَانَهٗ تَعَلُّقٌ مَعَ الْعَالَمِ خَلْقًا وَاِبْقَاءً وَاِفَاضَةً لِلْكَمَالَاتِ وَاِيْلَاءً لِلنِّعَمِ وَالْخَيْرَاتِ۔

فَاِنْ قُلْتَ اِنَّ عُلَمَاءَ اَهْلِ الْحَقِّ مَا تَكَلَّمُوْا فِي الرُّوْحِ مِثْلَ هٰذَا الْكَلَامِ بَلْ كَادُوْا لَمْ يُجَوِّزُوْهُ وَاَنْتَ مُلْتَزِمٌ وِفَاقَهُمْ فِي الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ فَمَا وَجْهُهٗ۔

قُلْتُ الْعَالِمُ بِحَقِيْقَةِ الرُّوْحِ قَلِيْلٌ مِنْهُمْ فَهُمْ مَعَ قِلَّتِهِمْ

إِنَّمَا لَمْ يَتَكَلَّمُوا بِكَشْفِ الْكَمَالَاتِ الرُّوحِيَّةِ وَاكْتَفَوْا بِالْإِجْمَالِ اِجْتِنَابًا عَنْ سُوْءِ فَهْمِ الْعَوَامِ وَوُقُوْعِهِمْ فِي الضَّلَالِ فَإِنَّ الْكَمَالَاتِ الرُّوحِيَّةَ شَبِيْهَةٌ صُوْرَةً بِالْكَمَالَاتِ الْوُجُوْبِيَّةِ وَالْفَرْقُ دَقِيْقٌ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ إِلَّا الرَّاسِخُوْنَ مِنَ الْعُلَمَاءِ فَرَأَوُا الْمَصْلَحَةَ فِي الْإِجْمَالِ بَلْ فِي الْإِنْكَارِ عَمَّنْ بَيَّنَهُ وَكَشَفَ عَنْ حَقِيْقَتِهِ فَلَا يُنْكِرُوْنَ كَمَالَاتِهِ الَّتِي سَبَقَ ذِكْرُهَا۔ وَالْعَبْدُ الضَّعِيْفُ إِنَّمَا بَيَّنَهُ وَكَشَفَ عَنْ بَعْضِ خَوَاصِّهِ اِعْتِمَادًا عَلَى عِلْمِهِ الصَّحِيْحِ وَكَشْفِهِ الصَّرِيْحِ بِعَوْنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَوْفِيْقِهِ وَصَدَقَةِ حَبِيْبِهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَآلِهِ الْكِرَامِ مَعَ إِزَالَةِ شُبْهَةٍ مَانِعَةٍ عَنِ الْبَيَانِ فَافْهَمْ۔

وَمِمَّا يَنْبَغِي أَنْ يُعْلَمَ أَنَّ الْجَسَدَ كَمَا اسْتَفَادَ مِنَ الرُّوحِ كَمَالَاتٍ لَا تُحْصٰى فَالرُّوحُ أَيْضًا اكْتَسَبَ مِنَ الْجَسَدِ فَوَائِدَ عُظْمٰى حَيْثُ صَارَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا مُتَكَلِّمًا مُتَجَسِّدًا بِالْجَسَدِ مُلْتَبِسًا مُبَاشِرًا لِلْأَفْعَالِ نَاسَبَتْ بِعَالَمِ الْأَجْسَادِ۔

وچوں نفسِ مطمئنہ بروحانیاں ملحق شد، چنانکہ بالا گذشت، عقل بجائے او در عالمِ اجساد بخلافتِ او نشست و عقلِ معاد نام یافت۔ ایں زمان فکر و اندیشۂ او ہمہ برائے آخرت مقصور گشت، و از اندیشۂ معیشت فارغ آمد، و شایانِ فراست شد، بواسطۂ نوریکہ اورا عطا فرمودہ اند۔ ایں مرتبہ نہایتِ مراتبِ کمالاتِ عقل ست۔

ناقصے ایں جا اعتراض نکند، کہ نہایتِ مراتب کمالاتِ عقل می باید کہ در نسیانِ معاش و معاد متحقق شود، کہ در مبدا اندیشۂ او غیرِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہیچ نباشد، چہ دنیا و چہ آخرت۔

گوییم کہ ایں نسیان در اثنائے راہ او را حاصل شدہ بود در مرتبۂ فنافی اللہ، و ایں کمال بمراحل ازاں متجاوز است۔ ایں جا رجوعِ علم ست بعد از حصولِ جہل و عودِ فرق است بعد از تحققِ جمع، و حصولِ اسلامِ حقیقی است بعد از کفرِ طریقت کہ در مرتبۂ جمع است، و فلاسفۂ کثیر السفہ کہ در عقل مراتبِ اربعہ ثابت کردہ اند، و کمالاتِ عقل را در آں منحصر دانستہ اند، از کمالِ نادانیست۔ حقیقتِ عقل را با کمالاتِ تابعۂ او بعقل و وہم نمی تواں دانست۔ کشفِ صحیح و الہامِ صریح درکار است، کہ مقتبس از انوارِ مشکوٰۃِ نبوت است۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُہٗ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ عُمُوْمًا وَاَفْضَلِہِمْ حَبِیْبِ اللّٰہِ خُصُوْصًا۔

اگر پرسند کہ در عباراتِ مشائخ واقع شدہ است کہ "عقل ترجمانِ روح است" معنی آں چہ باشد۔

گوییم کہ علوم و معارف کہ بتلقیِ روحانی از مبدءِ فیاض فائض می شود، قلب کہ از عالمِ ارواح است اخذ می کند، ترجمانِ آں عقل ست، کہ آں را محرر و ملخص ساختہ شایانِ فہمِ گرفتارانِ عالمِ خلق می سازد، کہ اگر او ترجمانی نہ کند فہمیدنِ آں متعسر ست بلکہ متعذر۔ و چوں

مضغۂ قلبیہ، خلیفۂ حقیقتِ جامعۂ قلبیہ است، حکمِ اصل پیدا کردہ است، وتلقیِ او نیز تلقی روحانی گشتہ ومحتاج بہ ترجمان آمدہ است۔

باید دانست کہ زمانے بر عقلِ معاد می آید کہ باعثِ شوق بہ مجاورتِ نفسِ مطمئنہ می گردد، بحدیکہ او را بمقامِ آں می رساند، قالب را تہی وخالی می گذارد، وایں زمان تعقّل وتذکر نیز بمضغۂ قلبیہ قرار می یابد۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ۔ وہم ہماں قلبِ خود ترجمانِ خود گردد۔ دریں وقت عارف را معاملہ با قالب افتد، جزوِ ناریٔ آنکہ ندائے "اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ" از نہادِ آں ظاہر می شد۔ رو بانقیاد می آرد، وبتدریج بشرفِ اسلامِ حقیقی مشرف می گردد۔ پس خلعتِ ابلیسی را بالتمام ازوے زائل گردانیدہ، بمقامِ اصلیٔ نفسِ مطمئنہ می رسانند ونائب مناب آں می سازند۔ پس در قالب خلیفۂ قلبِ حقیقی مضغہ آمد، ونائب منابِ نفسِ مطمئنہ جزوِ ناری گشت۔ ع

زر شد مسِ وجودِ من از کیمیائے عشق

وجزوِ ہوائی مناسبت بروح دارد۔ لہٰذا در وقتِ وصولِ سالک وعروجِ آں بمقامِ ہوا، گاہ باشد کہ ہمیں ہوا را بعنوانِ حقانیت بداند، وگرفتارِ آں بماند، چنانچہ در مقامِ روح ہمیں شہود دست می دہد وگرفتار می ماند۔ بعضے از مشائخ گفتہ اند کہ سی سال روح را بخدائی پرستیدم، وچوں ازاں مقام گذرانیدند حق از باطل جدا شد، وایں جزوِ ہوائی بواسطۂ مناسبت بمقامِ روحی دریں قالب قائم مقامِ روح می گردد، ودر بعض امور حکمِ روح

پیدا می کند، وجزوِ آبی مناسبت بحقیقتِ جامعۂ قلبیہ دارد، ولہذا فیضِ او بجمیع اشیا می رسد "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" بازگشتِ او نیز بمضغۂ قلبیہ است، وجزوِ ارضی کہ جزوِ اعظم آن قالب است. بعد از تطہیرِ از تلویثِ دنائت وخسّت کہ از صفاتِ ذاتیۂ اوبند، حاکم وغالب دریں قالب او می گردد، وہرچہ ہست در قالب حکم او پیدا می کند، ورنگِ آں می گیرد، وایں بواسطۂ جامعیتِ تامۂ اوست۔ جمیع اجزائے قالب فی الحقیقت اجزائے اویند، ولہذا کرۂ ارضی مرکزِ عناصر وافلاک آمد ومرکزِ او مرکزِ عالم۔ دریں وقت معاملۂ قالب نیز بانجام رسید ونہایتِ عروج ونزول متحقق گشت، وکمالِ تکمیل نقدِ وقت آمد۔ این ست نہایتے کہ رجوع بہ بدایت دارد۔

بداں کہ روح بامراتب وتوابع خود ہرچند بطریقِ عروج بمقرِ خود رسیدہ بود، اما چوں ہنوز تربیتِ قالب در پیش داشت توجہے بایں عالم درکار بود۔ وچوں معاملۂ قالب بانجام رسید، روح باسرّ وخفی و اخفی وبا قلب ونفس وعقل متوجہ جنابِ قدسِ خداوندی جل سلطانہ گشت، وبکلیۃ ازیں قالب اعراض نمود، وقالب نیز بکلیتِ خود متوجہ مقامِ عبودیت آمد۔ پس روح بامراتبِ خود در مقامِ شہود وحضور متمکن ست، واندیدو دانش ماسوی، بکلیت معرض، وقالب بہ تمام بمقامِ طاعت وبندگی راسخ است۔ این ست مقامِ فرق بعد الجمع۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ لِلْکَمَالَاتِ۔

واین درویش را درین مقام قدمِ خاص ست، وآں رجوعِ روح است بامراتبِ خود بعالمِ خلق تا بحق جل وعلا ایشاں را دعوت نماید، وروح دریں وقت حکمِ قالب پیدا می کند و تابع او می گردد، وکار تا بجائے می رسد کہ اگر قالب حاضر ست روح نیز حاضر است، واگر قالب غافل ست روح نیز غافل۔ مگر در وقت ادائے نماز کہ روح بامراتبِ خود متوجہ جنابِ قدس است جل شانہ۔ قالب اگرچہ غافل باشد، زیرا کہ نماز معراجِ مؤمن ست۔

باید دانست کہ ایں رجوع واصل بکلیت واقع شود از اکملِ مقاماتِ دعوت ست۔ ایں غفلت سببِ حضورِ جمعِ کثیر ست۔ غافلان ازیں غفلت غافل اند و حاضراں ازیں رجعت جاہل۔ ایں مقام از قبیلِ مدح بِمَا یُشْبِہُ الذَّمّ است۔ فہمِ ہر کوتہ اندیش ایں جا نہ رسد۔ اگر کمالاتِ ایں غفلت را بیان کنم ہرگز کسے آرزوئے حضور نکند۔ ایں آں غفلت ست کہ خواصِ بشر را بر خواصِ ملک فضیلت بخشید، ایں آں غفلت است کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم را رحمتِ عالمیان گردانید، ایں آں غفلت است کہ از ولایت بہ نبوت می رساند، ایں آں غفلت است کہ از نبوت بہ رسالت می رساند، ایں آں غفلت است کہ اولیائے عشرت را بر اولیائے عزلت مزیت می بخشد، ایں آں غفلت ست کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم را بر صدیق اکبرؓ سبقت می دہد بَعْدَ مَا کَانَا کَاُذُنَیْ فَرَسٍ۔ ایں آں غفلت ست کہ صحو را بر سکر ترجیح

می نماید، این آں غفلت ست کہ نبوت را بر ولایت فضل می گرداند۔ عَلٰی رَغْمِ الْقَاصِرِیْنَ، این آں غفلت ست کہ بسببِ آں قطبِ ارشاد از قطبِ ابدال افضلیت پیدا می کند، این آں غفلت ست کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرزوئے آں می نماید آنجا کہ می فرماید «یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ سَهْوَ مُحَمَّدٍ»، این آں غفلت ست کہ حضور کمینہ خادم اوست، این آں غفلت ست کہ وصول مقدمہ حصولِ اوست، این آں غفلت ست کہ بصورت تنزل ست و بحقیقت ترقی، این آں غفلت ست کہ خواص را بعوام مشتبہ می سازد و قبابِ کمالاتِ ایشاں می گردد۔ ع

گر بگویم شرح این بے حد شود

اَلْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ وَالْقَطْرَةُ تُنْبِئُ عَنِ الْبَحْرِ الْغَدِیْرِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

۴۱۔ **منها** حضرتِ رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیانِ سائر انبیا علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات بتجلیِ ذاتی ممتاز است، و بایں دولت کہ فوقِ جمیع کمالات است مخصوص، و کُمّل تابعانِ او را ازیں مقامِ خاص نصیب ست۔ گفتہ نشود کہ بریں تقدیر لازم می آید، کہ کُمّلِ این امت افضل باشند از سائرِ انبیا، و این خلافِ معتقدِ اہلِ سنت وجماعت ست، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

و این فضل نه جزئی ست تا بآں رفع شبهه کرده شود، بلکه کلی ست. زیرا که تفاضلِ رجال بقربِ الٰہی ست جل سلطانه، ہر فضیلتے که ہست دُونِ آں فضیلت ست۔

درجواب گوییم که لازم نمی آید ازیں نه کملِ این امت را از ان مقام نصیب است وصول اینہا بآں مقام. و فضیلت مربوط بوصول است. نہایتِ عروجِ کملِ این امت که خیرالامم است تا تحتِ اقدامِ انبیا است علیہم الصلوات والتسلیمات۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ که افضلِ جمیعِ بشر است، بعدِ انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات، نہایتِ عروجِ او تا تحتِ قدمِ نبی است که دونِ جمیع انبیا ست۔ غَایَۃُ مَا فِی الْبَابِ کملِ تابعانِ این امت را در مقامِ تحت از کمالات مقامِ فوق الفوق که مخصوص به پیغمبرِ ایشاں ست علیه الصلوٰۃ والسلام نصیب تمام ست۔ خادم ہرجا باشد، اُولئِق مخدوم باو خواہد رسید، خادم دور بطفیلِ مخدومِ آں یابد که نزدیکاں را بے دولتِ خدمت میسّر نه گردد۔

درقافله که اوست دانم نه رسیم ٭ این بس که رسد ز دُور بانگِ جرسم

بایدانست که مریدان را گاه ہست که این توہم درحقِ پیرانِ خود پیدا می شود، وحصولِ مقاماتِ پیران، ایشان را در تخیلِ مساوات اندازد، حقیقتِ معامله این ست که مذکور شد۔ حصولِ مساوات بر تقدیرِ وصول بآں مقامات است، نه بر تقدیرِ حصولِ آں مقامات، که حصولِ طفیلی است۔ ازیں جا کسے گمان نه کند که مرید مساوی پیرِ خود نباشد، اگر

نہ چنیں است، بلکہ مساوات مجوز ست، بلکہ واقع۔ لیکن فرق درمیانِ حصولِ آں مقام و وصول بآں مقام بسیار دقیق ست، ہر مرید بایں دولت مہتد نیست، کشفِ صحیح والہامِ صریح دریں فرق در کار است، وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ بِالصَّوَابِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

۱۵۔ **منھا** درویشے پرسید، کہ سبب چیست؟ کہ روندۂ ایں راہ را حالتے رُومی دہد و زمانے می ایستد و بعد ازاں متواری می گردد، پس از مدتے باز ہماں حالت آشکارا می شود، و بعد از زمان باز متواری می گردد، وَھٰکَذَا اِلٰی مَا شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

جوابش آنست کہ آدمی را ہفت لطیفہ است و مدتِ دولت و سلطان ہر لطیفہ جداست۔ پس اگر واردے بر لطف اینہا ورود نمود، و حالتے قوی نزول فرمود، کلیتِ سالک برنگِ آں لطیفہ منصبغ می گردد، و آں حال در جمیع لطائف سرایت می کند، وتا زمانے کہ دولتِ آں لطیفہ ثابت است آں حال برپاست۔ وچوں دولتِ آں لطیفہ منقضی گشت آں حال زائل می شود، و بعد از مدتے اگر آں حال رجوع نماید از دو حال خالی نیست، یا بر ہماں لطیفۂ اولیٰ رجوع نماید، دریں وقت راہِ ترقی بر آں سالک مسدود است۔ و اگر بر لطیفۂ دیگر وارد شد راہِ ترقی مفتوح گشت، و دراں لطیفہ دیگر نیز معاملہ لطیفۂ اولیٰ است، چہ بعد از زائل شدن آں حال، اگر ہماں حال رجوع نیز از دو حالِ سابق خالی نیست، وَھٰکَذَا اَحْوَالُ جَمِیْعِ

لہ یا بر ہماں لطیفۂ اولیٰ رجوع نماید دریں وقت الخ

اللطائف۔ پس اگر آں وارد در جمیع لطائف بطریق اصالت سریان نمود، از حال بمقام انتقال فرمود، واز زوال محفوظ گشت۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال والصلوٰۃ والسلام علی سید البشر وآلہ الاطہر۔

۱۶۔ **منہا** قال اللہ تعالیٰ "یا ایہا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون۔" یحتمل ان یکون الشرطیۃ قید الامر بالاکل ای کلوا من مستلذات ما رزقنکم ان صح منکم ان تخصوہ بالعبادۃ ولو لم یصح منکم ذلک بل کنتم عابدی ملہیات انفسکم فلا تاکلوا من مستلذاتہ لکونکم مرضی بالمرض الباطنی، والمستلذات من المرض وقات سم قاتل لکم واذا زال المرض الباطنی منکم صح لکم تناول المستلذات، فسر صاحب الکشاف الطیبات ھھنا بالمستلذات نظرا الی طلب الشکر۔

۱۷۔ **منہا** قال بعض المشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم من عرف اللہ لا یضرہ ذنب ای الذنب الذی اکتسب قبل المعرفۃ انما لان الاسلام یجب ما کان قبلہ، وحقیقۃ الاسلام ھو معرفۃ اللہ سبحانہ علی طریقۃ الصوفیۃ بعد الفناء والبقاء فیجب حصول ھذہ المعرفۃ الذنوب التی کانت حاصلۃ قبلہا ویمکن ان یراد بالذنب الذنب الذی یحصل بعد ھذہ المعرفۃ فیراد

بالذنب الذنب الصغير لا الكبير لأن أولياء الله محفوظون
عنه وعدم ضرره بعدم الإصرار والتدارك بلا فصل بالتوبة و
الاستغفار ويجوز أن يكون معناه لا يصدر عنهم ذنب لأن
عدم صدور الذنب ملزوم لعدم ضرره فذكر اللازم وأراد
الملزوم وما توهم الملاحدة من هذه العبارة من أن يسع
للعارف ارتكاب الذنوب لعدم ضررها فباطل قطعا وزندقة
صريحا أولئك حزب الشيطان ألا إن حزب الشيطان هم
الخاسرون ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من
لدنك رحمة إنك أنت الوهاب وصلى الله تعالى على سيدنا
محمد وآله وسلم وبارك - وأرجو من الله الكريم الواسع مغفرته
أن لا يضر الذنب المكتسب قبل المعرفة للعارف المتحقق
بحقيقة الإسلام وإن كان ذلك الذنب من قبيل المظالم
وحقوق العباد لما هو سبحانه المالك على الإطلاق وقلوب
العباد بين إصبعين من أصابعه يقلبها كيف يشاء ومطلق
الإسلام يجب من الذنوب ما سوى المظالم وحقوق العباد
كما لا يخفى فإن لحقيقة الشيء وكماله مزية ليس لمطلقه -

۱۸- **منها** حق سبحانہ وتعالیٰ بذاتِ خود موجود است نہ بوجود،
بخلافِ سائرِ موجودات کہ بوجود موجودند۔ پس احتیاج او تعالیٰ
در موجودیت بوجود لازم نیاید، تا گویند کہ وجود او تعالیٰ عین ذات ست،

نه زائد تا احتیاج بغیر لازم نیاید، و در اثباتِ عینیتِ وجود مر ذات را جل سلطانه محتاج بادلۂ متطاوله گردیم، و مخالفت کرده باشیم مر جمہور اہلِ سنت و جماعت را، چه ایں بزرگواراں بعینیتِ وجود قائل نیستند، وجود را زائد می دانند، و پوشیده نیست که حکم بزیادتیِ وجود، مستلزمِ احتیاجِ واجب ست، تعالیٰ و تقدس بغیر، اگر بوجود نا مند واجب را تعالیٰ و تقدس موجود گوئیم، و اگر بذاتِ خود موجود گوئیم، و ایں وجود را عرضِ عام بگیریم، ہم سخنِ جمہورِ متکلمینِ اہلِ حق درست می گردد، و ہم اعتراضِ احتیاج که مخالفان دارند بالکلیہ دفع می شود۔ و فرقِ واضح است، درمیانِ آنکه واجب را تعالیٰ بذاتِ خود موجود گفتن و اصلاً وجود را دخل نا دادن، و درمیانِ آنکه موجود بوجود گفتن، و آں وجود را عینِ ذات اثبات کردن۔ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةُ مِمَّا اخْتَصَّنِيَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِهَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰی ذٰلِکَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ۔

۱۹۔ **منها** از خصائصِ حضرتِ واجب الوجود ست تعالیٰ و تقدس که بذاتِ خود موجود بود، و اصلاً در موجودیت بوجود محتاج نشود۔ برابر ست که وجود را عینِ ذات بگیریم یا زائد بر ذات، بر ہر دو تقدیر عینیت و زیادتی محذور[1] لازم است، و چوں حضرتِ حق سبحانه و تعالیٰ را سنت بر آں جاری شده است که ہر چه در مرتبۂ وجوب است نمونۂ آں در ہر مرتبۂ امکان ظاہر سازد، عَلِمَهٗ اَحَدٌ اَوْ لَمْ یَعْلَمْهُ۔ انموذجِ ایں خاصه را عالمِ امکان وجود را ساخته است، که وجود ہر چند موجود نیست و از

[1] بر تقدیرِ عینیت احتیاج بدلائل متطاوله و مخالفت جمہور اہل سنت و بر تقدیر زیادت احتیاج ذات الی الغیر ۱۲

معقولاتِ ثانیہ است۔ اما اگر فرض کنیم وجودِ او را پس او موجود بذاتِ خود
خواہد بود، نہ بوجودِ دیگر، برخلافِ موجوداتِ دیگر کہ موجودیتِ آنہا بوجود محتاج
است، و ذواتِ ایشاں کافی نیست۔ پس ہرگاہ وجود کہ او را در موجودیتِ
اشیا مدخلے دادہ اند، اگر موجود شود بذاتِ خود موجود خواہد بود، و محتاج
بوجودِ دیگر نخواہد بود۔ خالقِ موجودات تعالیٰ و تقدس باستقلال اگر بذاتِ
خود موجود شود و اصلاً بوجود محتاج نگردد چہ عجب ست، و استبعادِ
بعیدان از مبحث خارج است، وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ۔

اگر کسے گوید کہ مرادِ حکما و اشعریہ و بعضے متصوفہ کہ بعینیتِ وجود
مر ذات را تعالیٰ و تقدس قائل گشتہ اند ہماں ست کہ تو آں را گفتہٖ در
معرفتِ سابق، کہ واجبِ وجود موجود است تعالیٰ و تقدس بذاتِ خود
نہ بوجود۔ پس معنی ایں کلام کہ "موجود است بوجودے کہ عینِ ذات است"
آنست کہ موجود ست بذاتِ خود، نہ بوجود۔

در جواب گوئیم کہ بریں تقدیر، خلافِ اہلِ سنت با ایشاں دریں
مسئلہ در برابر نمی افتد۔ بایستے کہ اہلِ حق بریں تقدیر در تقابلِ ایشاں
می گفتند کہ او تعالیٰ بوجود موجود است نہ بذات۔ اثباتِ زیادتیِ وجود بریں تقدیر
مستدرک است۔ پس اثباتِ زیادتیِ وجود را دلالت برآں شد کہ خلافِ
فریقین در نفیِ وجود نیست، بلکہ در وصفِ اوست، کہ عینیت و زیادتی
باشد۔ یعنی ہر دو فریق قائل اند بآنکہ او تعالیٰ بوجود موجود است۔ خلافے
ندارند مگر در عینیت و زیادتیِ آں۔

اگر گویند کہ چوں واجب الوجود تعالیٰ و تقدس بذاتِ خود موجود باشد، پس واجب را تعالیٰ موجود گفتن بکدام معنی باشد؟ چہ معنی موجود مَا قَامَ بِهِ الْوُجُوْد ست، وَلَا وُجُوْدَ هٰهُنَا اَصْلًا۔

جواب گوئیم کہ آرے وجودیکہ ذاتِ واجب تعالیٰ و تقدس بآں موجود شود در واجب تعالیٰ مفقود ست، اما وجودیکہ بطریقِ عرض عام بر ذاتِ او تعالیٰ مَقُول شود و بطریقِ اشتقاق محمول گردد، اگر باعتبارِ قیامِ آں وجود واجب را تعالیٰ موجود گویند گنجائش دارد، ہیچ محذور لازم نیاید۔ وَالسَّلَامُ۔

۲۰۔ **منها** ہرگز نہ پرستیم خدائے را کہ در حیطۂ شہود آید، و مرئی گردد، و معلوم شود، و در وہم و خیال گنجد۔ چہ مشہود و مرئی و معلوم و موہوم و متخیل در رنگِ شاہد و رائی و عالم و واہم و متخیل مصنوع و ما محدث ست ع

آں لقمہ کہ در دہان نگنجد طلبم

مقصود از سیر و سلوک خرقِ حجب ست، حجبِ وجوبی باشد یا امکانی۔ تا [illegible] وصلِ عریانی میسر آید، نہ آنکہ مطلوب را در قید آرند و صید نمایند ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں | کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

بَقِيَ اَنَّ الرُّؤْيَةَ فِي الْاٰخِرَةِ حَقٌّ نُؤْمِنُ بِهٖ وَلَا نَشْتَغِلُ بِكَيْفِيَّتِهٖ لِقُصُوْرِ فَهْمِ الْعَوَامِّ عَنْ دَرْكِهٖ لَا لِعَدَمِ اِدْرَاكِ الْخَوَاصِّ فَاِنَّ لَهُمْ نَصِيْبًا مِّنْ ذٰلِكَ الْمَقَامِ فِي الدُّنْيَا وَاِنْ لَمْ يُسَمَّ رُؤْيَةً وَالسَّلَامُ

عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

۲۱۔ منها ہر چہ در دید و دانش می آید مقید ست، و از صرافتِ اطلاق متنزل، و مطلوب آنست کہ از جمیع قیود منزّہ و مبرّا باشد، پس ماورائے دید و دانش او را باید جست، ایں معاملہ ورائے طورِ نظرِ عقل ست، چہ عقل ماورائے دید و دانش را جستن محال می داند ؎

کیں حال نیست صوفی عالی مقام را راز درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس

۲۲۔ منها مطلق بر صرافتِ اطلاقِ خود ست، ہیچ قیدے بادر او نیافتہ است۔ اما چوں در مرآتِ مقید ظہور فرماید، عکسِ او باحکامِ آں مرآت منصبغ گشتہ مقید و محدود نماید لاجرم در دید و دانش آید۔ پس اکتفا بر دید و دانش اکتفا بر عکسے است از عکوسِ آں مطلوب۔ بلند ہمتاں بجوز و مویز سیر نشوند۔ اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ جَعَلَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ مَعَالِی الْھِمَمِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْبَشَرِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

۲۳۔ منها در اوائلِ حال می بینم کہ در مکانے طواف می کنم و جمعے دیگر نیز با من دراں طواف شریک اند، اما بطوئے سیر آں جماعت بحدے ست کہ تا من یک دورِ طواف را بانجام می رسانم آں جماعت دو سہ قدم مسافت را قطع می نمایند۔ دراں اثنا معلوم می گردد کہ ایں مکان فوق العرش است، و جماعت طواف کنندگان ملائکِ کرام اند۔ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

۲۴۔ منہا قباب اولیاء اللہ صفاتِ بشریتِ ایشان ست، ہر چہ سائرِ مردم محتاج اند، ایں بزرگواران نیز محتاج اند۔ ولایت ایشان را از احتیاج نمی بر آرد، و غضبِ ایشان نیز در رنگِ غضب سائرِ مردم ست۔ ہرگاہ سید الانبیاء عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ فرماید اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ باولیاء چہ رسد، و ہمچنیں ایں بزرگواران در اکل و شرب و معاشرت با اہل و عیال و موانست با ایشان با سائرِ ناس شریک اند۔ تعلقاتِ شتّیٰ کہ از لوازم بشریت است از خواص و عوام زائل نمی گردد۔ حق سبحانہ و تعالیٰ درشانِ انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ می فرماید۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ وکفارِ ظاہر بیں می گفتند "مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ"۔ پس ہر کہ نظرِ او بر ظاہرِ اہل اللہ افتاد محروم گشت، و خسرانِ دنیا و آخرت نقدِ وقتِ او آمد۔ ہمیں ظاہر بینی ابوجہل و ابولہب را از دولتِ اسلام محروم ساخت، و در خسرانِ ابدی انداخت۔ سعادتمند آنست کہ نظرِ او از ظاہر بینیِ اہل اللہ کوتاہ گشت، و حدّتِ نظرِ او بصفاتِ باطنۂ ایں بزرگواران نفوذ کرد، و بر باطن مقصور گشت۔ فَهُمْ كَنِيْلِ مِصْرَ بَلَاءً لِّلْمَحْجُوْبِيْنَ وَمَاءً لِّلْمَحْبُوْبِيْنَ، عجب کاریست۔ صفاتِ بشریہ آنقدر کہ در اہل اللہ ظاہر می گردد در سائرِ مردم ظاہر نیست، و جہش آنست کہ

ظلمت وکدورت در محلِ ہموار و مصفا اگرچہ اندک باشد بیشتر ہویدا می گردد، ازانچہ در محلِ ناہموار و غیر مصفا، اگرچہ بیشتر باشد. لیکن ظلمتِ صفاتِ بشریت در عوام در کلیت سرایت می کند، و در قالب و قلب و روح می دود، و در خواص ایں ظلمت مقصور بر قالب و نفس ست، و در اخصِ خواص نفس نیز ازیں ظلمت مبرا است، مقصور بر قالب ست و بس۔ و ایضاً ایں ظلمت در عوام موجبِ نقصان و خسارت ست، و در خواص موجبِ کمال و نضارت، ہمیں ظلمتِ خواص ست کہ ظلمتہائے عوام را زائل می گرداند، قلب ہائے ایشاں را تصفیہ می بخشد، و نفسہا را تزکیہ می دہد۔ اگر ایں ظلمت نمی بود، خواص را بعوام ہیچ راہِ مناسبت نمی کشود، و راہِ افادہ و استفادہ مسدود می نمود، و ایں ظلمت در خواص آں قدر نمی ایستد کہ مکدر سازد، بلکہ ندامت و استغفار کہ در قفائے او دست می دہد، چندیں ظلمت و کدورتِ دیگر را ہم زوائد و ترقیات می فرماید۔ ہمیں ظلمت ست کہ در ملائک مفقود ست، و بسببِ آں، راہِ ترقی مسدود، و ایں ظلمت بروے از قبیلِ مدحٍ بما یشبہ الذم ست۔ عوام کالانعام صفاتِ بشریتِ اہل اللہ را در رنگِ صفاتِ بشریتِ خود می دانند، و محروم و مخذول می مانند۔ قیاسِ غائب بر شاہد فاسد ست، ہر مقام را خصوصیات علیحدہ است و ہر محل را لوازم جدا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔

۲۵۔ منہا آدمی تا زمانے کہ گرفتارِ علم و دانش ست، و بنقوشِ ماسوٰی منقش، خوار و بے اعتبار ست۔ نسیانِ ماسوائے شرطِ راہ است، و فنائے ماعدا قدمِ پیشگاہ۔ تا آئینہ باطنی از زنگارِ امکان زدودہ نگردد، ظہورِ حضرتِ وجوب محال ست، چہ جمع علومِ امکانی با معارفِ وجوبی از قبیلِ جمعِ اضداد ست۔ ایں جا سوالے ست قوی، و آں آنست کہ چوں عارف را بہ بقا مشرف می سازند، و برائے تکمیلِ ناقصاں بازش می گردانند، علومے کہ زائل شدہ بود عود می نماید۔ بریں تقدیر علومِ امکانی با معارفِ وجوبی جمع میگردند و تو آں را جمعِ ضدّین گفتہ۔ جوابش آن ست کہ عارفِ باقی باشد دریں وقت حکمِ برزخیت پیدا کردہ است۔ گویا برزخ ست بَیْنَ الْوُجُوْبِ وَالْاِمْکَانِ، و منصبغ برنگِ ہر دو مقام۔ دریں صورت اگر علوم و معارفِ ہر دو مقام جمع شوند چہ اشکال۔ زیرا کہ محلِ اجتماعِ ضدّین واحد نماند بلکہ گویا متعدد گشتہ است۔ فَلَا جَمْعَ۔

۲۶۔ منہا علومِ اشیا، کہ در مرتبۂ فنا زائل شدہ بودند بعد از بقا اگر رجوع نمایند، نقصے در کمالِ عارف لازم نیاید، بلکہ کمالِ او ست دریں رجوع، بلکہ تکمیلِ او مربوط بہمیں رجوع است، چہ عارف بعد از بقا متخلق باخلاق اللہ است۔ علمِ اشیا در واجب تعالیٰ عینِ کمال است، و ضدِّ آں موجبِ نقصان۔ فَکَذَا حَالُ الْعَارِفِ الْمُتَخَلِّقِ وَالسِّرُّ فِیْهِ اَنَّ الْعِلْمَ فِي الْمُمْکِنِ مُحَصَّلٌ بِحُصُوْلِ صُوْرَةِ الْمَعْلُوْمِ فِیْهِ فَلَا جَرَمَ یَتَأَثَّرُ الْعَالِمُ بِحُصُوْلِ صُوْرَةِ الْمَعْلُوْمِ فِیْهِ وَکُلَّمَا کَانَ الْعِلْمُ اَزْیَدَ کَانَ

التأثّر في العالم الأكبر فيكون التغيّر والتلوّن فيه أوسع وأبسط
فيكون نقصاً فلا بدّ للطّالب من نفي هذه العلوم كلّها و
نسيان الأشياء جلّها والعلم في الواجب تعالى ليس كذلك إذ
هو سبحانه منزّه من أن يحلّ فيه صور الأشياء المعلومة بل
ينكشف الأشياء عليه تعالى بمجرّد تعلّق العلم بها فسبحان من
لا يتغيّر بذاته ولا بصفاته ولا في أفعاله بحدوث الأكوان و
العارف المتخلّق يصير علمه بهذه الصّفة فلا يحلّ فيه صور
معلومات الأشياء فلا تأثّر في حقّه فلا تغيّر ولا تلوّن فلا
يكون نقصاً بل كمالاً هذا السرّ من غوامض الأسرار الإلهيّة
خصّ الله سبحانه وتعالى به من يشاء من عباده ببركة حبيبه
عليه وعلى آله الصّلوات والتّسليمات أتمّها وأكملها۔

۲۷- منها این درویش را در دهم سال از ابتدائے زمانِ
انابت بمقام رضا مشرف ساختند۔ اول نفس را باطمینان رسانیدند،
بعد ازاں بتدریج بمحض فضلِ ایزدی باین سعادت مستعد ساختند،
وباین دولت مشرف نشد، تا زمانے که پرتوے از رضائے آں حضرت جلّ سلطانہ
برتافت۔ فرضیت النّفس المطمئنّة عن مولاها ورضي مولاها
عنها الحمد لله سبحانه على ذلك حمداً كثيراً طيّباً مباركاً فيه
مباركاً عليه وكما يحبّ ربّنا ويرضى والصّلوة والسّلام على
رسوله محمّد وآله كما يحرى۔

اگر گویند کہ چوں نفس راضی شد از مولائے خود، پس معنیٰ دعا و طلبِ دفعِ بلا چہ باشد؟ - گوئیم کہ رضا از فعلِ مولائے تعالیٰ مستلزمِ رضا از مخلوقِ او نیست، بلکہ بسا ست کہ رضا از مخلوق مستقبح باشد در رنگِ کفر و معاصی - پس رضا از خلقِ قبیح لازم باشد و کراہت از نفسِ قبیح واجب۔ ہرگاہ مولا تعالیٰ از نفسِ قبیح راضی نباشد بندہ چگونہ راضی شود، بلکہ بندہ دریں صورت مامور بشدت و غلظت ست۔ پس کراہت از مخلوق منافیٔ رضا از خلقِ آں نباشد۔ پس طلبِ دفعِ بلا را معنیٰ مستحسن باشد۔ و جمعے کہ فرق نکردہ اند درمیانِ رضا از فعل و کراہت از مفعول، در وجودِ کراہت بعد از حصولِ رضا در اشکال ماندہ اند، و در دفعِ آں تکلفات نمودہ اند، و گفتہ اند کہ وجودِ کراہت منافیٔ حالِ رضاست نہ مقامِ رضا۔ وَالْحَقُّ مَا حَقَّقْتُهُ بِإِلْهَامِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

۳۸- منہا مدتے آرزوئے آں داشت کہ وجہے پیدا شود وجیہ در مذہبِ حنفی تا در خلفِ امام قرارتِ فاتحہ نمودہ آید۔ ہرگاہ قرارت در نماز فرض باشد، از قرارتِ حقیقی عدول نمودہ، بقرارتِ حکمی قرار دادن معقول نمی شد۔ با آنکہ در حدیثِ نبوی آمدہ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ "لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" اما بواسطۂ رعایتِ مذہب بے اختیار ترکِ قرارت می کرد، و ایں ترک را از قبیلِ ریاضت و مجاہدہ می شمرد۔ آخر الامر حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ببرکتِ رعایتِ مذہب، کہ نقل از مذہب الحاد ست، حقیقتِ مذہبِ حنفی در ترکِ قرأتِ ماموم ظاہر ساخت۔

وقراءتِ حکمی از قراءتِ حقیقی در نظرِ بصیرت زیباتر نمود، کہ امام و ماموم
همہ باتفاق در مقامِ مناجات می ایستند۔ لِاَنَّ الْمُصَلِّی یُنَاجِیْ رَبَّہٗ،
و امام را دریں امر پیشوا می سازند۔ پس امام ہرچہ می خواند گویا در زبانِ
قوم می خواند۔ در رنگِ آنکہ جماعۂ پیشِ پادشاہِ عظیم الشان بحاجتے بروند،
و یکے را پیشوا سازند، تا از زبانِ ہمہ اینہا عرضِ حاجت نماید، بریں تقدیر
اگر دیگراں نیز، باوجودِ تکلمِ پیشوا، در تکلم آیند، داخلِ سُوءِ ادب ست و موجبِ
عدمِ رضائے پادشاہ۔ پس تکلمِ حکمی ایں جماعہ بزبانِ پیشوا ادا می یابد بہتر
است از تکلمِ حقیقی ایں ہا۔ ہمچنیں است حالِ قراءتِ قوم باوجودِ قراءتِ
امام کہ داخلِ شَغَب است، و از ادب مستبعد، و موجبِ تفرق، کہ منافیٔ
اجتماع ست، و اکثرِ مسائلِ خلافی میانِ حنفی و شافعی ازیں قبیل ست.
کہ ظاہر و صورت مُرجّح بجانبِ شافعی است و باطن و حقیقت مؤیّدِ
مذہبِ حنفی، و بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیاتِ کلام، حق بجانبِ
حنفی ست۔ تکوین را از صفاتِ حقیقیہ می دانند، ہرچند بظاہر رجوع بقدرت
و ارادت می نماید، لیکن بدقتِ نظر و نورِ فراست معلوم می گردد کہ تکوین،
صفتِ علیحدہ است، عَلٰی هٰذَا الْقِیَاس۔

و در خلافیاتِ فقہی، در اکثر مسائل حق بجانبِ حنفی متیقن است
و در اقل متردد، و ایں فقیر را در توسطِ احوالِ حضرتِ پیغمبر علیہ و علی آلہ
الصلوات والتسلیمات در واقعہ فرمودہ بودند کہ "تو از مجتہدانِ علمِ کلامی"۔
آناں وقت در ہر مسئلہ از مسائلِ کلامیہ ایں فقیر را رائے خاص ست و

علم مخصوص۔ در اکثر مسائلِ خلافیہ کہ ماتریدیہ و اشاعرہ در آنجا متنازع اند، در ابتدائے ظہورِ آں مسئلہ، حقیقت بجانبِ اشاعرہ مفہوم می گردد، و چوں بنورِ فراست حدتِ نظر نمودہ می آید، واضح می گردد کہ حق بجانبِ ماتریدیہ است۔ در جمیع مسائلِ خلافیہ کلامیہ رائے ایں فقیر موافقِ آرائے علمائے ماتریدیہ است۔ والحق کہ ایں بزرگواراں را بواسطۂ متابعتِ سنّتِ سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ شانِ عظیم است، کہ مخالفانِ ایشاں را بواسطۂ خلطِ فلسفیات آں شان میسّر نیست۔ اگرچہ ہر دو فریق از اہلِ حق اند۔ از علوِّ شانِ امام بزرگترینِ ایں بزرگواراں، امام اجل، پیشوائے اکمل، ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہ نویسد کہ اعلم و اورع و اتقائے مجتہدین است، چہ شافعیؒ و مالکؒ و چہ احمد حنبلؒ۔ امام شافعیؒ می فرماید اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَؒ منقول ست کہ امام شافعیؒ چوں بزیارتِ قبرِ امام اعظم می رفت، ترکِ اجتہادِ خود می کرد، و برائے خود عمل نمی نمود، و می گفت کہ شرم می آید کہ در حضورِ ایشاں عمل برائے خود بکنم کہ مخالفِ رائے ایشاں باشد۔ ترکِ قراءتِ فاتحہ خلف الامام می نمود و قنوت در فجر نمی خواند۔ آرے بزرگیِ شانِ ابی حنیفہؒ را شافعیؒ داند۔ فردا کہ حضرتِ عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرماید، بمذہبِ ابی حنیفہؒ عمل خواہد کرد، چنانکہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ در فصولِ ستہ می فرماید، و ہمیں بزرگی ایشاں را کافی ست کہ پیغمبرِ اولوالعزم بمذہبِ او عمل نماید۔ صد بزرگی دیگر را بایں بزرگی عدیل نمی تواں یافت۔

حضرتِ خواجہ ما می فرمودند قدس سرہ کہ چند گاہ من ہم خلفِ امام قراءتِ فاتحہ می نمودم، آخر الامر شبے امام اعظمؒ را در خواب دیدم، کہ قصیدۂ غرّا در مدحِ خود می خواند، و ایں مضمون مستفاد می گردد، کہ چندیں اولیا در مذہبِ من بودہ اند۔ از آں وقت ترکِ قراءتِ فاتحہ خلفِ امام نمودم۔

۲۹۔ **منہا** گاہ باشد کہ کاملے، ناقصے را، اجازتِ تعلیمِ طریقت می کند، و در ضمنِ اجتماعِ مریدانِ آں ناقص کارِ آں ناقص با تمام می رسد، حضرتِ خواجہ نقشبندؒ، مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمہ را، پیش از وصول بدرجۂ کمال، اجازتِ تعلیمِ طریقت فرمودہ بودند، و گفتہ بودند کہ اے یعقوب آنچہ از من بتو رسیدہ است بمردم برساں، و کارِ مولانا بعد از آں در خدمتِ خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہٗ سر انجام یافت۔ لہٰذا خدمتِ مولانا عبد الرحمٰنؒ جامی در "نفحات" مولانا را اول از مریدانِ خواجہ علاء الدین عطارؒ می شمرد، ثانیاً بخواجہ نقشبندؒ نسبت می کند۔

و ازیں قبیل است کاملے مریدے را کہ استعدادِ یک درجہ از درجاتِ ولایت دارد، بعد از حصولِ آں درجہ، آں مرید را اجازتِ تعلیمِ طریقت می کند، و آں مرید من وجہٍ کامل ست و من وجہٍ ناقص، و ہمچنیں ست حالِ مریدیکہ استعدادِ دو درجہ یا سہ درجہ از درجاتِ ولایت دارد، من وجہٍ کامل ست و من وجہٍ ناقص۔ چہ پیش از رسیدن بنہایت النہایت، ہمہ درجات از یک وجہ کمال دارد و از یک وجہ دیگر نقص۔ مع ذٰلک شیخِ کامل او را بعد از حصولِ مرتبۂ استعدادیِٔ او اجازتِ تعلیمِ طریقت می کند۔

ف۱ عقیدۂ غرّا: ... شہ روشن۔

پس اجازت موقوف بر کمالِ مطلق نشد. باید دانست که نقص هرچند
منافیٔ اجازت ست، اما چوں کامل مکمّل ناقص یا نائبِ خود می سازد، و
دستِ او را دستِ خود می داند، ضررِ نقص تعدّی نمی نماید. وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ
اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّهَا۔

۳۰۔ منها یادداشت، عبارت از دوامِ حضورِ حضرتِ ذات ست
تعالیٰ و تقدس، و ایں معنی گاه است که مرا اربابِ قلوب را نیز متخیل شود بواسطہ
جامعیتِ قلب. زیرا که هرچه در کلیتِ انسان ست، در قلب تنها نیز
ثابت ست، هرچند فرقِ اجمال و تفصیل ست. پس در مرتبۂ قلب نیز
حضورِ ذاتِ تعالیٰ و تقدس بر سبیلِ دوام میسر شود. اما ایں معنی صورتِ
یادداشت است، نه حقیقتِ یادداشت، و اندراج نهایت در بدایت
تواند بود که بایں صورتِ یادداشت اشارت فرموده باشند، و
حصولِ حقیقتِ یادداشت بعد از تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب ست لیکن اگر
مراد از حضرتِ ذات، مرتبۂ وجوب داشته شود، که ذات دراں مرتبۂ جامعِ
صفاتِ وجوبیه است، پس حصولِ یادداشت بمجردِ رسیدن بشهودِ ایں
مرتبه، بعد از طیّ جمیعِ مراتبِ امکانی صورت می بندد، و در تجلیاتِ
صفاتی نیز ایں معنی متحقق می شود، که ملاحظۂ صفات دریں تقدیر منافیٔ
حضورِ حضرتِ ذاتِ تعالیٰ نیست. و اگر مراد از حضرتِ ذاتِ تعالیٰ مرتبۂ
احدیتِ مجرده داشته شود، که معرا ست از اسما و صفات و نسب و
اعتبارات، پس حصولِ یادداشت بعد از طیّ جمیعِ مراتبِ اسمائی و صفاتی

و نسبی و اعتباری متصور شود، و این فقیر ہر جا کہ بیان کردہ است یادداشت را بمعنی آخر فرود آوردہ۔ ہر چند اطلاقِ حضور نیز دراں مرتبہ ملائم نیست کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی اَرْبَابِہٖ۔ چہ او از حضور و غیبت بلند است۔ اطلاقِ حضور را ملاحظۂ صفتے از صفات درکار ست۔ آنچہ مناسبِ لفظِ حضور ست تفسیرِ یادداشت بمعنیٔ ثانی است، و دریں تقدیر یادداشت را نہایت گفتن باعتبارِ شہود و حضور ست، کہ فوقِ این مرتبہ شہود و حضور را گنجایش نیست۔ یا حیرت ست یا جہل یا معرفت، نہ آں معرفت کہ تو آں را معرفت دانی، کہ آں معرفتِ تو معرفتِ افعالی ست و صفاتی، و این مقام فوقِ معرفتِ اسما و صفات ست بچندیں مراحل۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْاَطْہَرِ۔

۳۱۔ منها تمامیٔ این طریق و وصول بنہایت النہایت، مربوط بطے مقاماتِ عشرہ مشہورہ است کہ اوّلش توبہ است و آخرش رضا۔ ہیچ مقامے در مراتبِ کمال فوقِ مقامِ رضا متصور نیست، حتٰی کہ رویت اخروی نیز۔ و حقیقتِ مقامِ رضا کَمَا یَنْبَغِیْ در آخرت ظہور خواہد یافت، و حصولِ مقاماتِ دیگر در آخرت متصور نیست۔ توبہ[1] آنجا معنی ندارد، و زہد[2] گنجایش ندارد، و توکل[3] صورت نہ بندد، و صبر[4] احتمال ندارد، آرے شکر[5] ہر چند در آنجا متحقق ست، اما آں شکر از شعبِ رضا ست نہ امرِ مباین از رضا۔ اگر پرسند کہ در کامل مکمل گاہ ہست کہ رغبتے در دنیا مفہوم می گردد، و منافیٔ توکل چیزہا دیدہ می شود، و بے طاقتی کہ منافیٔ صبر ست مشہود می گردد،

وکراہت کہ ضدِ رضاست یافتہ می شود، وجہِ آں چہ باشد؟

درجواب گوییم کہ حصولِ ایں مقامات مخصوص بقلب و روح ست، ونسبت باخصِّ خواص ایں مقامات در نفسِ مطمئنہ نیز حصولے می یابد، اما قالب ازیں معنی خالی وبے نصیب است هرچند از سَوْرَت[1] وشدت می ماند- شخصے از شبلی پرسید کہ تو دعوائے محبت می کنی وایں فربہیِ تو منافی محبت است- شبلی درجوابِ او ایں شعر خواند ؎

اَحَبَّ قَلْبِیْ وَمَا دَرٰی بَدَنِیْ   وَلَوْ دَرٰی مَا اَقَامَ فِی السِّمَنِ

پس منافیِ آں مقامات اگر در قالبِ کاملے ظهور کند ضرر ندارد در حصولِ آں مقامات نسبت بباطنِ آں بزرگ، ودر غیرِ کامل نقائصِ آں مقامات درکلیت ظهور می کند بباطن وظاهر راغبِ دنیا می گردد، ومنافیِ توکل صورت وحقیقتِ او را شامل می شود، وبقلب وقالب بے طاقتی واضطرار ظهور می نماید، وبروح وبدن کراهت ظاهر می گردد- وهمیں چیزها ست کہ حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ نقابِ اولیائے خود ساختہ است، واکثر مردم را از کمالاتِ ایں بزرگواراں محروم داشتہ- ودر ابقائے آں چیزها در اولیا حکمتے است غامض، وآں عدم امتیازِ حق است از باطل، کہ از لوازم ایں دارست، کہ محلِ ابتلا است- وحکمتِ دیگر در ابقائے ایں اشیا در اولیا، اگرچہ بحسبِ صورت باشد، ترقیِ ایشان ست- اگر ایں اشیا از اولیا بالکل مرفوع شود راہِ ترقی مسدود می گردد، ودر رنگِ ملک محبوس می ماند- وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی

[1] یعنی اگرچہ کالبد از تیزی وقوت مقتضائے خود می ماند ۱۲

عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

۳۲۔ منها الٰہی چیست اینکہ اولیائے خودرا کردی کہ باطنِ ایشان زُلالِ خضرست، ہرکہ قطرۂ ازاں چشید حیاتِ ابدی یافت۔ و ظاہرِ ایشان سمِّ قاتل، ہرکہ بآن نگریست بموتِ ابدی گرفتار آید۔ ایشان اندکہ باطنِ ایشان رحمت ست وظاہرِشان زحمت۔ باطن بینِ ایشان از ایشان ست وظاہر بینِ ایشان از بدکیشان، بصورتِ جو نما اند، و بحقیقت گندم بخش۔ بظاہر از عوام بشر اند وبباطن از خواصِ مَلَک، بصورت برزمین اند وبمعنی برفلک، جلیسِ ایشان از شقاوت رستہ است، وانیسِ ایشان بسعادت پیوستہ۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

۳۳۔ منها حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ اولیاء اللہ را بر نہجے مستور ساختہ است کہ ظاہرِ ایشان از کمالاتِ باطنِ ایشان خبر ندارد۔ فکیف باعدائے ایشان۔ باطنِ ایشان را نسبتے کہ بمرتبۂ بیچونی وبیچگونی حاصل گشتہ است نیز بے چون ست، وباطنِ ایشان چوں از عالمِ امرست نیز نصیبے از بیچونی دارد، وظاہر کہ سراسر چون ست حقیقتِ آں را چہ دریابد، بلکہ نزدیک ست کہ از نفسِ حصولِ آں نسبت انکار نماید۔ بِغَایَةِ الْجَهْلِ وَعَدَمِ الْمُنَاسَبَةِ۔ وتواند بود کہ نفسِ حصولِ نسبت را داند، اما نداند کہ متعلقِ آں کیست، بلکہ بسا است کہ نفیِ متعلقِ حقیقی او نماید۔ وَکُلُّ ذٰلِكَ لِعُلُوِّ تِلْكَ النِّسْبَةِ وَدُنُوِّ الظَّاهِرِ، وباطنِ خود مغلوبِ

آں نسبت ست۔ واندیود انش رفتہ است، چہ داند کہ چہ دارد و بکہ دارد؛ پس ناچار غیر از عجز از معرفت بمعرفت راہ نباشد۔ لہذا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودہ "اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ"۔ نفسِ ادراک عبارت از نسبتِ خاصہ است کہ عجز از ادراکِ آں لازم ست، لِاَنَّ صَاحِبَ الْاِدْرَاكِ مَغْلُوْبٌ لَا يَعْلَمُ اِدْرَاكَهٗ وَغَيْرُهٗ لَا يَعْلَمُ حَالَهٗ، كَمَا مَرَّ۔

۳۴۔ منہا شخصے بود در لباسِ صوفیاں کہ بہ بدعتِ اعتقادی مبتلا بود۔ ایں فقیر درحقِ او تردد داشت، اتفاقاً می بینم کہ انبیا صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیہم باجمعہم جمع اند و ہمہ بزبانِ واحد می فرمایند درحقِ آں شخص کہ "لَيْسَ مِنَّا" دریں اثنا بخاطر رسید کہ از شخصِ دیگر کہ فقیر درحقِ او متردد بود استفسار نماید، دربارۂ او فرمودند "كَانَ مِنَّا" نَعُوْذُ بِاللهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَادِ وَمِنْ طَعْنِ اَنْبِيَائِهِ الْاَمْجَادِ۔

۳۵۔ منہا بریں فقیر ظاہر ساختند کہ لفظِ قرب و معیت و احاطۂ حق سبحانہٗ کہ در قرآن مجید واقع شدہ است، از جملہ متشابہاتِ قرآنی ست، در رنگ یَدٌ و وجہ۔ و ہمچنیں است لفظ اول و آخر و ظاہر و باطن و امثالِ آنہا۔ پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ را قریب گوئیم، اما معنیٔ قرب ندانیم کہ چیست، و ہمچنیں اول گوئیم۔ اما ندانیم کہ مراد از اول چہ باشد، و معنیٔ قرب و اولیت کہ در حیطۂ علم و فہمِ ما درآید، حق سبحانہٗ وتعالیٰ ازاں منزہ و مبرا است، و آنچہ در کشف و شہود با گنجد، او تعالیٰ ازاں متعالی و پاک ست، و قرب و معیتِ او تعالیٰ کہ بعضے از

ناقابل ادراک

اوّل

متصوفہ بطریق کشف دریافتہ اند، و بآں معنی کشفی حق را سبحانہ قریب و مع می دانند، مستحسن نیست، قدمے در مذہبِ مجسمہ دارد۔ و آنچہ بعضے از علما در تاویلِ آں گفتہ اند، و از قرب قربِ علمی مراد داشتہ اند، در رنگِ تاویلِ ید است بقدرت و وجہ است بذات، و مجوز ست نزدیکِ مجوزانِ تاویل، و ما تجویزِ تاویل نمی کنیم، و تاویلِ آں را بعلمِ حق سبحانہ حوالہ می نمائیم۔ اَلْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

۳۶۔ **منہا** ایں فقیر نمازِ وتر را گاہے در اولِ شب ادا می کرد، و گاہے بآخرِ شب می گذاشت۔ در شبے از شبہا نمودند کہ در صورتِ تاخیرِ ادائے نمازِ وتر، چوں مصلّی بخواب رود، و نیت دارد کہ در آخرِ شب وتر را ادا خواہد نمود، کتبۂ اعمالِ حسناتِ او تمام شب حسنات را بنامِ او می نویسند، تا زمانے کہ وتر را ادا نماید۔ پس ہر چند وتر را بتاخیر ادا نماید بہتر باشد۔ مَعَ ذٰلِكَ ایں فقیر را در تعجیل و تاخیرِ وتر غیر از متابعتِ سید البشر علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات ہیچ چیز منظور نیست، و ہیچ فضیلت را بمتابعت عدیل نمی انگارد، و حضرتِ رسالت وتر را گاہے اولِ شب ادا فرمودہ اند و گاہے آخرِ شب۔ سعادتِ خود را دراں می داند کہ در امرے از امور تشبہ بآں سرور نماید، عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ اگرچہ آں تشبہ بحسبِ صورت باشد۔ مردم در بعضے سنن نیت احیائے لیل و مثل آں را دخل می دہند۔ عجب می آید از کوتہ اندیشی ایشاں۔ ما را احیائے لیالی را بہ نیم جَو متابعت نخریم۔ عشرۂ اخیرۂ ماہِ رمضان را اعتکاف

نشستیم، یاران را جمع کرده گفتیم که غیر از متابعت نسبتِ دیگر نه کنید، که تبتّل و انقطاع ما چه خواهد بود، صد گرفتاری را بحصولِ یک متابعت قبول داریم، اما ہزار تبتل و انقطاع را بے توسلِ متابعت قبول نه داریم ؎

آنراکہ درسرائے نگاریست فارغ است ✽ از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ کَمَالَ مُتَابَعَتِهٖ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

۳۷- منها وقتے از اوقات با جمعے از درویشاں نشستہ بودیم، این فقیر از محبتِ خود که نسبت بغلامانِ آں سرور داشته عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ چنیں گفت، که محبتِ آں سرور بر نہجے مستولی شده است که حق سبحانهٗ و تعالیٰ را بواسطۂ آں دوست می دارم که ربّ محمدؐ است۔ حاضران ازیں سخن در تحیر ماندند، اما مجالِ مخالفت نداشتند، این سخن نقیضِ سخنِ رابعہ است، که گفتہ آں سرور را در خواب گفتم که محبتِ حق سبحانهٗ و تعالیٰ بر نہجے استیلا یافته است که محبتِ شما را جا نمانده است۔" این ہر دو سخن ہر چند از سُکر خبر می دہد، اما سخنِ من اصالت دارد، او در عینِ سُکر گفته، و من در ابتدائے صحو، و سخنِ او در مرتبۂ صفات است، و سخنِ من بعد از رجوع از مرتبۂ ذات۔ زیرا که در مرتبۂ ذات تعالیٰ این قسم محبت را گنجائش نیست۔ جمیع نسب را ازاں مرتبہ کوتہی است۔ آنجا ہمہ حیرت ست یا جہل، بلکه بذوق، نفیٔ محبت دراں مرتبہ می کند، ہیچ وجہے خود را شایانِ محبتِ او نمی داند۔ محبت و معرفت در صفات

است و بس۔ محبتِ ذاتی کہ گفتہ اند مراد ازاں ذاتِ احدیت نیست، بلکہ ذات، با بعضے از اعتبارات ذات است۔ پس محبت رابعہ در مرتبہ صفات است۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْہَرِ۔

۳۸۔ **منہا** شرافتِ علم باندازہ شرف و رتبہ معلوم است۔ معلوم ہر چند شریف تر، علمِ آں عالی تر۔ پس علمِ باطن کہ صوفیہ باں ممتازند، اشرف باشد از علمِ ظاہر، کہ نصیبِ علمائے ظواہر ست۔ بر قیاسِ شرافتِ علمِ ظاہر، بر علمِ حجامت و حیاکت۔ پس رعایتِ آدابِ پیر کہ علمِ باطن را ازو اخذ کنند باضعاف زیادہ باشد از رعایتِ آدابِ استاد کہ علمِ ظاہر ازو استفادہ نمایند، و ہمچنیں رعایتِ آدابِ استادِ علمِ ظاہر باضعاف زیادہ است از رعایتِ آدابِ استادِ حجام و حائک، و ہمیں تفاوت در اصنافِ علومِ ظاہری جاری ست، استادِ علم کلام و فقہ اولیٰ و اقدم است از استادِ علمِ نحو و صرف، و استادِ نحو و صرف اولیٰ است از استادِ علومِ فلسفی، با آنکہ علومِ فلسفی داخل علومِ معتبرہ نیست، اکثرِ مسائلِ آں لاطائل ست و بے حاصل، و اقلِ مسائلِ آں کہ از کتبِ اسلامیہ اخذ نمودہ اند، و تصرفات دراں کردہ، از جہلِ مرکب خالی نیستند، کہ عقل را دراں موطن مجال نیست، طورِ نبوت ورائے طورِ عقلِ نظر ست۔

باید دانست کہ حقوقِ پیر فوقِ حقوقِ سائرِ اربابِ حقوق ست، بلکہ نسبت ندارد حقوقِ پیر بحقوقِ دیگراں، بعد از انعاماتِ حضرتِ حق سبحانہٗ

واحساناتِ رسولِ او۔ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ، بلکه پیرِ حقیقی همه، رسول اللہ است، صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم۔ ولادتِ صوری هرچند از والدین ست، امّا ولادتِ معنوی مخصوص به پیر است۔ ولادتِ صوری را حیاتِ چند روزه است، وولادتِ معنوی را حیاتِ ابدی است۔ نجاساتِ معنویهٔ مرید را پیر ست که بقلب وروحِ خود گنا یی می نماید وتطهیرِ اشکنبه او می فرماید۔ در توجّهات که نسبت به بعضے مسترشداں واقع می شود، محسوس می گردد، که در تطهیرِ نجاساتِ باطنهٔ ایشاں تلوّثے بصاحبِ توجه نیز می رود، وتا زمانے مکدّر می دارد۔ پیر است که بتوسّلِ او بخدا می رسند عزّ وجلّ، که فوق جمیع سعاداتِ دُنیویه واُخرویه است۔ پیر است که بوسیلهٔ او نفسِ امّاره که بالذات خبیث ست مُزکّی ومُطهَّر می گردد، واز امّارگی باطمینان می رسد، واز کفرِ جبلّی باسلامِ حقیقی می آید۔ ع

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

پس سعادتِ خود را در قبولِ پیر باید دانست۔ وشقاوتِ خود را در ردِّ او۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذٰلِكَ۔ رضائے حق سبحانهٗ را در پس پردهٔ رضائے پیر مانده اند۔ تا مرید در مراضیِ پیر خود را گم نسازد بمرضیاتِ حق سبحانه نرسد آفتِ مرید آزارِ پیر است۔ هر زلّتے که بعد آں باشد، تدارکِ آں ممکن ست امّا آزارِ پیر را هیچ چیز تدارک نمی تواں نمود، آزارِ پیر بیخ شقاوت ست مر مرید را، عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذٰلِكَ۔ خللے در معتقداتِ اسلامیه وفتورے در اتیانِ احکامِ شرعیه از نتائج وثمراتِ آنست۔ از احوال ومواجید که

با باطن تعلق دارد خود چه گوید، و اثرے از احوال اگر با وجودِ آزارِ پیر باقی ماند
از استدراج باید شمرد، که آخر بخرابی خواهد کشید و غیر از ضرر نتیجه نخواهد داد۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

۳۹۔ **منها** قلب از عالمِ امر است، و او را بعالمِ خلق تعلق و
تعشق داده بعالمِ خلق فرود آورده اند، و بمضغه که در جانبِ چپ ست،
تعلقِ خاص بخشیده اند۔ در رنگِ آنکه پادشاه را بکنّاس تعشق پیدا شود،
و بسببِ آں در منزلِ کنّاس نزول نماید۔ و روح که الطف از قلب
است از اصحابِ یمین ست، و لطائفِ ثلثه که فوقِ لطیفهٔ روح اند
بشرفِ "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا" مشرف اند۔ ہر چند لطیف تر بوسط
مناسب تر۔ اِلَّا اَنَّ السِّرَّ وَالْخَفِیَّ عَلٰی طَرَفَیِ الْاَخْفٰی اَحَدُهُمَا عَلَی
الْیَمِیْنِ وَالْاٰخَرُ عَلَی الشِّمَالِ۔ و نفس مجاورِ حواس ست تعلق بدماغ
دارد، و ترقیِ قلب منوط است بوصولِ او در مقامِ روح، و بمقامِ فوقِ
روح، و ہمچنیں ترقیِ روح و ما فوقِ او مربوط ست بوصولِ آنہا بمقاماتِ
فوقانی۔ لیکن ایں وصول در ابتدا بطریقِ احوال است، و در انتہا بطریقِ
مقام، و ترقیِ نفس برسیدنِ اوست در مقامِ قلب بطریقِ احوال، در
ابتدا، و بطریقِ مقام در انتہا۔ و در آخرِ کار ایں لطائفِ ستّه بمقامِ اخفیٰ
می رسند و ہمه باتفاق قصدِ طیرانِ عالمِ قدس می نمایند۔ و لطیفهٔ قالب را
خالی و تہی می گذارند۔ اما ایں طیران نیز در ابتدا بطریقِ احوال ست و در انتہا
بطریقِ مقام۔ و بہ یَحْصُلُ الْفَنَاءُ۔ و موتے که پیش از موت گفته اند،

عبارت ازیں جدائی لطائفِ ستہ است از لطیفۂ قالب۔ و سرِّ بقائے حس و حرکت در قالب بعد از مفارقتِ اینہا در جاہائے دیگر بیان کردہ شدہ است، از انجا باید طلبید۔ این ورق گنجایشِ تفصیل ندارد، باشارہ و رموز سخن می رود۔ لازم نیست کہ جمیع لطائف در مقامے جمع شوند و از آنجا طیران نمایند۔ گاہ باشد کہ قلب و روح ہر دو باتفاق این کار کنند۔ و گاہے ہر سہ، و گاہے ہر چہار، و آنچہ اول مذکور شد اتم و اکمل است، و مخصوص ست بولایتِ محمدی علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات، و ماعدائے او قسمے از اقسامِ ولایت است، و چوں آں لطائفِ ستہ، بعد از مفارقت از قالب و وصول بمقامِ قدس و تلون بصبغِ آں، اگر بقالب باز رجوع نمایند و تعلق پیدا کنند سوائے تعلقِ حبی، و حکمِ قالب گیرند، و بعد امتزاج یک قسم فنائے پیدا کنند، و حکم میت بگیرند، دریں وقت بتجلی خاص متجلی گردند، و از سر حیات پیدا کنند، و بمقامِ بقا باللہ متحقق شوند، و متخلق باخلاق اللہ گردند، دریں وقت اگر آں را خلعت بخشیدہ بعالم باز گردانند، معاملہ از دُنو بتدلی خواہد انجامید، و مقدمۂ تکمیل پیدا خواہد شد، و اگر بعالم باز نہ گردانند و تدلی بعد دُنو حاصل نشود، از اولیائے عزلت خواہد بود، و ترتیبِ طالبان و تکمیلِ ناقصان از دستِ او نخواہد آمد۔ این ست حدیث بدایت و نہایت بطریق رمز و اشارہ۔ اما فہمیدن آں بغیرِ قطعِ این منازل محال است۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

۴۰- **منها** حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ از ازل تا ابد بیک کلام متکلم است، آں کلام متبعِّض و متجزی نیست، چہ سکوت و خرس در حقِ او تعالیٰ محال ست، چہ عجب ہرگاہ از ازل تا ابد در آنجا آنِ واحد باشد، اِذْ لَا یَجْرِیْ عَلَیْہِ سُبْحَانَہٗ زَمَانٌ۔ در آنِ واحد غیر از کلامِ واحدِ بسیط چہ بوقوع آید، و آں کلامِ واحد منشاءِ چندیں اقسامِ کلام گشتہ است باعتبارِ تعددِ تعلقات، مثلاً اگر بمامور تعلق گرفتہ است امر ناشی شدہ، و اگر بمنہی نہی نام یافتہ، و اگر باخبار خبر پیدا گشتہ۔ غَایَۃُ مَا فِی الْبَابِ۔ اخبارِ ماضی و استقبال جمعے را در اشکال می اندازد، و از تقدم و تاخرِ دال بتقدم و تاخرِ مدلول می برد و لا اِشکال، زیرا کہ ماضی و استقبال از صفاتِ مخصوصۂ دال ست کہ باعتبارِ انبساطِ آں آن پیدا شدہ است، و در مرتبۂ مدلول چوں آں آن بحالِ خود ست، ہیچ انبساطے پیدا نہ کردہ است، ماضی و استقبال را گنجایش نیست۔ اربابِ معقول گفتہ اند کہ ماہیتِ واحدہ را باعتبارِ وجودِ خارجی لوازم علیحدہ است، و باعتبارِ وجودِ ذہنی صفات جدا۔ ہرگاہ در شئے واحد تباینِ صفات و لوازم باعتبارِ تغایرِ وجود و ہویت جائز باشد، در دال و مدلول کہ فی الحقیقت از یک دیگر جدا اند بطریقِ اولیٰ مجوز باشد، و آنکہ گفتہ شد کہ از ازل تا ابد آنِ واحد ست، از تنگیِ عبارت است، و الا آں نیز آنجا گنجایش ندارد۔ آں ہم در تنگیِ زبان اینجا تعقل بایدِ داشت، ممکن کہ در مقاماتِ قربِ الٰہی جل سلطانہ پا از دائرۂ امکان بیرون می نہد، ازل و ابد را متحد می یابد۔ حضرتِ رسالت خاتمیت

عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ در شبِ معراج در مقاماتِ عروج یونسؑ را در بطنِ ماہی یافت، وطوفانِ حضرتِ نوحؑ موجود بود، علیہم الصلوۃ والسلام۔ واہلِ بہشت را در بہشت دید، ودوزخیان را در دوزخ، وبعد از پانصد سال کہ نصفِ یوم ست از زمانِ دخولِ بہشت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کہ از اغنیائے صحابہ است علیہم الرضوان در بہشت در آمد۔ و حضرت پیغمبرؐ از دیر آمدنِ او پرسیدند، او از عقباتِ محنِ خود خبر داد، واین ہمہ در رنگِ آن مشہود گشت، ماضی واستقبال را گنجائش نبود۔

واین حقیر را نیز در بعضے از اوقات بصدقۂ حبیب اللہ علیہ الصلوۃ والسلام این حالت پیدا شدہ بود، ملائک را در عینِ سجود یافت کہ بحضرتِ آدمؑ می کردند، ہنوز سر از سجدہ نہ برداشتہ بودند، وملائکِ علّیین را ازین ساجداں جدا دید کہ بسجدہ مامور نگشتہ اند، ودر مشہودِ خود مستہلک و مستغرق اند، واحوالے کہ در آخرت موعود اند، در ہمان آن مشہود گشتند، وچوں مدتے برین واقعہ گذشتہ بود تفصیلِ احوالِ آخرت نہ کرد، کہ بر حافظۂ خود اعتماد نہ داشت۔ لیکن باید فہمید کہ این حالت مر جسدِ پیغمبرؐ وروحِ ایشاں را شدہ بود و مشہودِ بصر وبصیرت، ودیگراں را کہ طفیلی اند، اگر این حالت بطریقِ تبعیت دست دہد، مقصور بر روح است ومخصوص ببصیرت۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم	این بسکہ رسد ز دور بانگِ جرسم

عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔

۴۱ - منها تکوین یکے از صفاتِ حقیقیۂ واجب الوجود است، تعالیٰ و تقدس۔ اشاعرہ تکوین را از صفاتِ اضافیہ می دانند، و قدرت و ارادت را در ایجادِ عالم کافی می انگارند، اما حق آنست کہ تکوین صفتِ حقیقیۂ علیحدہ است، ماورائے قدرت و ارادت۔ بیانش آنکہ قدرت بمعنی صحتِ فعل و ترک ست، و ارادت تخصیصِ یکے ازیں دو طرفِ قدرت است کہ فعل و ترک باشد۔ پس رتبۂ قدرت مقدم شد بر رتبۂ ارادت، و تکوینے کہ ما او را از صفاتِ حقیقیہ می دانیم، رتبۂ او بعد از رتبۂ قدرت و ارادت ست۔ کار آں صفت ایجادِ آں طرفِ مختص ست۔ پس قدرت مصحّحِ فعل ست، و ارادت مخصّص آں، و تکوین موجِدِ آں، پس از تکوین چارہ نبود۔ و مثلِ آں مثلِ استطاعت مع الفعل ست، کہ علمائے اہلِ سنت آں را در عباد اثبات کردہ اند، و شک نیست کہ ایں استطاعت بعد از ثبوتِ قدرت است، بلکہ بعد از تعلقِ ارادت، و تحققِ ایجاد مربوط بایں استطاعت است، بلکہ آں استطاعت موجبِ فعل ست، و طرفِ ترک آنجا مفقود ست، و حالِ صفتِ تکوین ہمیں است، کہ ایجاد با او بطریقِ ایجاب است، اما ایں ایجاب در واجب تعالیٰ ضرر نمی کند، کہ ثبوتِ آں بعد از تحققِ قدرت ست کہ بمعنی صحتِ فعل و ترک ست، و بعد از تخصیصِ ارادت، بخلافِ آنچہ حکمائے فلسفہ گفتہ اند، و شرطیۂ اولیٰ[1] را واجب الصدق گمان کردہ اند، و شرطیۂ ثانیہ[2] را ممتنع الصدق، و نفی ارادت نمودہ اند، صریح در ایجاب ست۔

[1] ان شاء فعل [2] یعنی ان لم یشاء لم یفعل

تعالی اللہ سُبحانہٗ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ و ایجاب کہ بعد از تعلقِ ارادت و تخصیص احد المقدورین پیدا شود، مستلزمِ اختیارست، و مؤکدِ آں، نہ نافیِ اختیار۔ و کشفِ صاحبِ فتوحات نیز موافقِ رائے حکما واقع شدہ است، در قدرت شرطیۂ اولیٰ را واجب الصدق می داند، و ثانی را ممتنع الصدق، و ایں قول بایجاب است، ارادت بیکار می افتد کہ تخصیص احد المتساویین ایں جا منتفی است، و اگر تکوین ایں معنی را اثبات کنند گنجائش دارد، کہ از شائبۂ ایجاب مبرا است۔ ایں فرقِ تدقیقی ست، کہ بہ بیان آں کم کسے سبقت کردہ است۔ علمائے ماتریدیہ ہر چند ایں صفت را اثبات کردہ اند، اما بایں حدتِ نظر پے نبردہ اند۔ اتباعِ سنتِ سنیۂ مصطفویہ، علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ، درمیانِ سائر متکلمین، ایشاں را بایں معرفت ممتاز ساختہ است، و ایں حقیر از خوشہ چینانِ ایں اکابرست۔ ثَبَّتَنَا اللہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی مُعْتَقَدَاتِہِمُ الْحَقَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّہَا وَاَکْمَلُہَا۔

۴۲- منہا رویتِ خداوندِ عزوجل در آخرت مر مومناں را حق است۔ ایں مسئلہ است کہ غیر از اہلِ سنت و جماعت ہیچ کس از فرقِ اسلامیین و حکمائے فلاسفہ بجوازِ آں قائل نیست۔ باعثِ انکارِ ایشاں قیاسِ غائب است بر شاہد۔ و آں فاسد ست۔ مرئی ہر گاہ بیچون و بیچگون باشد، رویتے کہ باو تعلق گیرد، نیز بے چون خواہد بود۔ ایمان باو باید آورد، و اشتغال بکیفیتِ او نباید کرد۔ ایں سِر را امروز بر خواصِ اولیا ظاہر ساختہ اند

هرچند رویت نیست، اما بے رویت نیست، کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔ فردا ہمہ مؤمنان
حق سبحانہ و تعالیٰ را خواہند دید بچشمِ سَر، اما ہیچ درک نخواہند کرد، لَا تُدْرِکُہُ
الْاَبْصَارُ۔ دو چیز خواہند دریافت، علمِ یقینی بآنکہ می بینند و التذاذ یکہ
مترتّب بر رویت است۔ غیرِ این دو چیز از لوازمِ رویت ہمہ مفقود ست۔
این مسئلہ از اَغمضِ مسائلِ کلام است، طورِ عقل در اثبات و تصورِ آن
عاجز است۔ متابعانِ انبیا از علما و صوفیہ آں را بنورِ فراست، کہ مقتبس
از انوارِ نبوت ست، دریافتہ اند، و ہمچنیں مسائلِ دیگر از علمِ کلام کہ عقل در
اثباتِ آنہا عاجز و متحیّر است، علمائے اہلِ سنّت را نورِ فراست ست فقط،
و صوفیہ را ہم نورِ فراست و ہم کشف و شہود۔ فرقِ درمیانِ کشف و فراست
ہمچوں فرقِ درمیان حدسیات و حسّیات است۔ فراست نظریات را
حدسیات می سازد، و کشف حسّیات، و مسائلے کہ اہلِ سنت بآنہا قائل اند،
و مخالفانِ ایشاں کہ التزامِ طورِ عقل نمودہ اند، از آنہا منکر اند، ہمہ از آں
قبیل اند، کہ بنورِ فراست معلوم گشتہ اند و بکشفِ صحیح مشہود شدہ۔ اگر
دربیانِ آں مسائل ایضاحے نمودہ آید مقصود از آں تصویر و تنبیہ است،
نہ اثباتِ آنہا بنظر و دلیل۔ چہ نظرِ عقل در اثبات و تصویرِ آنہا کور ست۔
عجب از علمائے کہ دریں مسائل خود را در مقامِ استدلال مے آرند و می
خواہند کہ بدلائل اثبات کنند و بر مخالفان حجت تمام کنند، ایں میسر
نمی شود و با تمام نیز نمی رسد۔ مخالفاں خیال می کنند کہ مسائلِ ایشاں
نیز در رنگِ استدلالاتِ ایشاں مزیّف و ناتمام اند۔ مثلاً علمائے

اہلِ سنت استطاعت مع الفعل اثبات کردہ اند۔ ایں مسئلہ از مسائلِ حقہ است کہ بنورِ فراست وکشفِ صحیح معلوم گشتہ است، امّا دلائل کہ بر اثباتِ او آوردہ اند مزیف و ناتمام است۔ اقوٰی ادلّہ ایشاں بر اثباتِ آں مسئلہ عدم بقائے اعراض است در دو زمان، چہ اگر عرض باقی باشد لازم آید قیامِ عرض بعرض وآں محال ست۔ وچوں ایں دلیل را مخالفان مزیف و ناتمام دانستہ اند یقین کردہ اند کہ آں مسئلہ نیز ناتمام است۔ ندانستہ اند کہ مقتدائے ایشاں دریں مسئلہ و در امثالِ ایں مسئلہ نورِ فراست ست کہ مقتبس از انوارِ نبوت ست۔ اما ایں تقصیرِ ماست کہ حدسی و بدیہی را در نظرِ مخالفاں نظری می سازیم، وتکلفات در اثباتِ آں می کوشیم، غَایَۃَ مَافِی الْبَابِ۔ حدسی و بدیہیِ ما بر مخالفاں حجت نیست۔ گو نباشد، غیر از اعلام و تبلیغ بر ما لازم نساختہ اند، ہر کہ حُسنِ نشاۂ مسلمانی دارد بے اختیار قبول خواہد کرد، و ہر کہ بے نصیب ست غیر از انکار نخواہد افزود۔ و در میانِ علمائے اہلِ سنت طریقِ اصحابِ شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی چہ زیبا است، کہ اقتصار بر مقاصد فرمودہ اند و اعراض از تدقیقاتِ فلسفیہ نمودہ۔ طریقِ نظر و استدلال بطریقِ فلسفی در میانِ علمائے اہلِ سنت و جماعت از شیخ ابو الحسن اشعری ناشی شدہ است، وخواستہ کہ معتقداتِ اہلسنت را باستدلالِ فلسفی تمام سازد، وایں دشوار است، و دلیر ساختن است مر مخالفاں را بر طعنِ اکابرِ دین، وگذاشتن است طریقِ سلف را۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰی مُتَابَعَۃِ اٰرَاءِ اَهْلِ الْحَقِّ الْمُقْتَبَسَۃِ مِنْ اَنْوَارِ النُّبُوَّۃِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

۴۳۔ **منها** بحکم کریمۂ "وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ" اظہارِ ایں نعمتِ عظمیٰ می نماید، کہ ایں فقیر را یقینے نسبت بمعتقداتِ کلامیہ، کہ بروفقِ آرائے اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت واقع شدہ اند، بر نہجے حصول پیوستہ است، کہ در جنبِ آں یقین یقینے کہ نسبت باجلائے بدیہیات حاصل است، حکمِ ظنیات بلکہ وہمیات دارد، مثلاً چوں موازنہ می کنم یقینے را کہ نسبت بہر یکے از مسائلِ کلام حاصل ست با یقینے کہ نسبت بوجودِ آفتاب دارم حیف می آید کہ یقینِ ثانی را نسبت بہ یقینِ اول اطلاقِ یقین نمودہ آید۔ اربابِ عقول ایں معنی را قبول کنند یا نہ، بلکہ البتہ قبول نہ کنند، کہ ایں بحث ورائے طورِ نظرِ عقل ست، عقلِ ظاہر بیں را جز انکار ازیں مقام نصیبے نیست۔ حقیقتِ ایں معاملہ آنست کہ یقین کارِ قلب ست، و یقینے کہ قلب را مثلاً بوجودِ آفتاب حاصل میگردد بتوسطِ حواس ست، کہ حکمِ جواسیس دارند، و یقینے کہ بیکے از مسائلِ کلامیہ قلب را حاصل شدہ است، بے توسطِ احدے است کہ بطریقِ الہام از حضرت وہاب جل و علا بے واسطہ تلقی نمودہ است و اخذ فرمودہ۔ پس یقینِ اول بمثابۂ علم الیقین آمد و یقینِ ثانی بمثابۂ عین الیقین — شَتَّانَ مَا بَیْنَهُمَا۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

۴۴- **منها**: چون طالب را بمحض فضلِ خداوندی جل سلطانه ساحتِ سینهٔ او از جمیعِ مرادات خالی شود، و خواستے غیر از حق سبحانه او را نماند، دریں وقت آنچه مقصود از آفرینشِ اوست میسر شده باشد، و حقیقتِ بندگی بجا آورده. بعد ازیں اگر خواہند که او را برائے تربیتِ ناقصاں باز گردانند، از نزدِ خود ارادتے او را خواہند عطا فرمود، و اختیارے خواہند داد، که در تصرفاتِ قولی و فعلی مختار و مجاز باشد در رنگِ عبدِ ماذون، دریں مقام که مقامِ تخلق باخلاق اللہ است صاحبِ اراده ہر چه خواہد برائے دیگراں خواہد خواست، و مصالحِ دیگراں منظور خواہد داشت نه مصالحِ نفسِ خود، کَمَا هُوَ حَالُ إِرَادَةِ الْوَاجِبِ تَعَالیٰ بَلْ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلیٰ. و لازم نیست بلکه جائز نیست که ایں صاحبِ اراده ہر چه خواہد بوقوع آید که شرک ست و بندگی آنرا بر نتابد. حضرتِ حق سبحانه و تعالیٰ حبیبِ خود را عَلَیْهِ وَعَلیٰ آلِهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ می فرماید "إِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ" ہرگاه ارادتِ سید البشر در توقف افتد دیگراں را چه مجال. و ایضاً لازم نیست که جمیع مراداتِ ایں صاحبِ ارادت مرضیِ حق باشند سبحانه تعالیٰ و تقدس. و الا بر بعضے افعال و اقوالِ آں سرور عَلَیْهِ وَعَلیٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اعتراض از حق سبحانه نازل نمی شد، کَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ "مَا كَانَ لِنَبِیٍّ" الآیه. و عفو ازاں گنجائش نداشت، کَمَا قَالَ تَعَالیٰ "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" چه عفو در تقصیرات متصور ست باآنکه جمیع مراداتِ حق

جبلّ و علامِ رضیاتِ حق سبحانہٗ نیستند، کَالْکُفْرِ وَالْمَعَاصِیْ۔

۴۵۔ **منھا** امامِ من دریں کار کلام اللہ است، و پیرِ من دریں امر قرآن مجید، اگر ہدایتِ قرآن نمی بود راہے بجانبِ عبادتِ معبودِ بحق نمی کشود۔ دریں راہ ہر لطیف و الطف ندائے "انا اللہ" می زند، و روندۂ راہ را گرفتارِ پرستشِ خود می سازد، اگر چون ست خود را بصورتِ بیچونی وامی نماید، و اگر تشبیہ است خود را بہیئتِ تنزیہ جلوہ گر می گرداند۔ دریں جا امکان بوجوب ممتزج است، و حدوث بقدم مختلط۔ اگر باطل است بصورتِ حق ہویدا است، و اگر ضلالت است بشکلِ ہدایت پیدا۔ بیچارہ سالک حکمِ مسافرِ اعمٰی دارد کہ بہر یکے "هٰذَا رَبِّیْ" گویاں رو می آرد۔ حضرتِ حق سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی خود را بہ "خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" می ستاید، "وَرَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" می فرماید، وقتِ عروج چوں این صفات را بر آلہہ متخیلہ عرض نمودہ شد بے اختیار بانمودند، و روبزوال آوردند، لاجرم "لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" گویاں رو از ہمہ تافت، و قبلۂ توجہ جز ذات واجب الوجود نساخت۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔

۴۶۔ **منھا** ما چہار کس بودیم در ملازمتِ خواجۂ خود، کہ پیشِ مردم درمیانِ سائر یاران امتیاز داشتیم۔ ہر کدام مارا نسبت بحضرتِ خواجہ اعتقاد علیحدہ بود و معاملہ جدا۔ این فقیر بیقین می دانست کہ مثلِ این صحبت و اجتماع و مانندِ این تربیت و ارشاد بعد از زمانِ

آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ہرگز بوجود نیامدہ
است. وشکر ایں نعمت بجا می آورد کہ اگرچہ بشرفِ صحبتِ خیر البشر
علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام مشرف نشد بارے از سعادتِ
ایں صحبت محروم نماند، وحضرتِ خواجہ ما از احوالِ آں سہ دیگر چنیں
می فرمودند کہ فلانے مرا صاحبِ تکمیل می داند، اما صاحبِ ارشاد نمی
پندارد- ونزدِ او مرتبہ ارشاد زیادہ از تکمیل بودہ، وفلانے بما کارے ندارد،
وآں دیگر را می فرمودند کہ نسبت بما انکارے دارد، وہر کدام مارا باندازہ
اعتقاد بہرہ رسید-

باید دانست کہ اعتقادِ مرید با فضلیتِ پیر واکملیتِ او از ثمراتِ
محبت است، واز نتائجِ مناسبت، کہ سببِ افادہ واستفادہ است.
اما باید کہ پیر را بر جماعتے کہ فضلِ آنہا در شرع مقرر است فضل ندہد- کہ
موجبِ افراط است در محبت، وآں مذموم است. شیعہ را خرابی از افراطِ
محبتِ اہلِ بیت آمدہ، ونصاریٰ از افراطِ محبت حضرتِ عیسیٰ را
علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ابن اللہ خواندہ اند، ودر خسارتِ ابدی
ماندہ، لیکن اگر بما سوائے اینہا فضل بدہد مجوز است، بلکہ در طریقت
واجب، وایں فضل دادن نہ باختیارِ مرید ست بلکہ اگر مرید مستعد
است بے اختیار روئے ایں اعتقاد پیدا می گردد، وبوسیلہ آں
کمالاتِ پیر را اکتساب می فرماید- اگر ایں فضل دادن باختیارِ مرید
باشد وتکلف پیدا کند مجوز نباشد ونتیجہ نہ بخشد-

۴۷ - منہا درجۂ علیا در نفی و اثبات بکلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ آن ست کہ ہرچہ در دید و دانش و کشف و شہود درآید، ہرچند تنزیہ صرف و بے کیف محض نماید، این ہمہ در تحتِ لا داخل شود و در جانبِ اثبات غیر از تکلم بکلمۂ مستثنیٰ کہ بمواطاتِ قلب صادر گردد نصیبے نباشد۔ ؎

عنقا شکارِ کس نشود دام بازچیں	کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

۴۸ - منہا حقیقتِ قرآنی و حقیقتِ کعبۂ ربانی فوق حقیقتِ محمدی ست عَلٰی مَظْهَرِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّةُ، لہذا حقیقتِ قرآنی امامِ حقیقتِ محمدی آمد، و حقیقتِ کعبۂ ربانی مسجودِ حقیقتِ محمدی گشت، مع ذلک حقیقتِ کعبۂ ربانی[1] فوقِ حقیقتِ قرآنی است۔ آنجا ہمہ بے صفتی و بے رنگی ست، و شیون و اعتبارات را دراں موطن گنجائش نیست، تنزیہ و تقدیس را دراں حضرت مجال نہ۔ ع

آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان ست

این معرفتے است کہ ہیچ یکے از اہل اللہ بآں لب نہ کشادہ است، و برمز و اشارت ہم ازاں مقولہ سخن نراندہ۔ این درویش را بایں معرفتِ عظمیٰ مشرف ساختہ اند و در میانِ ابنائے جنس ممتاز گردانیدہ، کُلُّ ذٰلِكَ بِصَدَقَةِ حَبِیْبِ اللّٰهِ وَبَرَكَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ

[1] حقیقتِ قرآنی فوقِ حقیقتِ کعبۂ ربانی است (بحوالہ دفتر سوم مکتوب ۷۷ - از مولانا نور احمد صاحب)

الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔

باید دانست کہ صورتِ کعبہ ہمچناں کہ مسجودِ صُوَرِ اشیاست، حقیقتِ کعبہ نیز مسجودِ حقائقِ آں اشیاست، وَاَقُوْلُ قَوْلاً عَجَبًا لَمْ يَسْمَعْهُ اَحَدٌ وَمَا اَخْبَرَبِهٖ مُخْبِرٌ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَاِلْهَامِهٖ تَعَالٰى اِيَّايَ بِفَضْلِهٖ وَكَرَمِهٖ، آنکہ بعد از ہزار و چند سال از زمانِ رحلتِ آں سرور عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ زمانے می آید، کہ حقیقتِ محمدی از مقامِ خود عروج فرماید و بمقامِ حقیقتِ کعبہ متحد گردد۔ ایں زماں حقیقتِ محمدی حقیقتِ احمدی نام یابد و مظہرِ ذاتِ احد جل سلطانہ گردد، و ہر دو اسمِ مبارک بمسمّٰی متحقق شود، و مقامِ سابق از حقیقتِ محمدی خالی ماند تا زمانے کہ حضرتِ عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرماید، و عمل بشریعتِ محمدی نماید عَلَیْہِمَا الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ، دراں وقت حقیقتِ عیسوی از مقامِ خود عروج فرمودہ بمقامِ حقیقتِ محمدی کہ خالی ماندہ بود استقرار کند۔

۴۹۔ منہا اگر کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نمی بود، راہے بجنابِ قدسِ خداوندی جل سلطانہٗ کہ می نمود، و نقاب از چہرۂ توحید کہ می کشود، و فتحِ ابوابِ جنات کہ می فرمود، کوہ کوہ صفاتِ بشریہ باستعمالِ کلنداین لا کندہ می شود، و عالم عالم تعلقات ببرکتِ تکرارِ ایں نفی منتفی می گردد، و نفیِ آں آلہۂ باطلہ را منتفی می سازد، و اثباتِ آں معبودِ برحق را جل شانہٗ مثبت می سازد۔ سالک مدارجِ امکانی را بمددِ او

ے کوہ کوہ و عالم عالم کنایہ از کثرت است۔ ے کلند آلے است آہنی کہ بداں زمین را برائے زراعت بکاوند۔

قطع می نماید، و عارف بمعارجِ وجوبی ببرکتِ او ارتقا می فرماید۔ او ست کہ از تجلیاتِ افعال بتجلیاتِ صفات می برد، و از تجلیاتِ صفات بتجلیاتِ ذات می رساند ؎

تا بجاروبِ لا نروبی راه ۔۔۔ نرسی در سرائے اِلّا الله

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

۵۰۔ منها خدمتِ مخدوم شیخ شرف الدین منیری در مکتوباتِ خود نوشته اند کہ معوّذتین را در نمازِ فرض نباید خواند کہ ابنِ مسعود رضی الله تعالیٰ عنه در قرآنیتِ ایں دو سورہ مخالف جمہور است۔ پس در فرضِ قطعی قرارت آں دو سورہ محسوب نباید کرد۔ و ایں فقیر ہم نمی خواند، تا آنکہ روزے بریں فقیر ظاہر ساختند، کہ گویا معوّذتین حاضر اند، و از مخدوم در بابِ منعِ قرارت آنہا در فرض شکایت دارند کہ ما را از قرآن اخراج می نماید۔ از آں زمان از آں منع ممتنع گشتم، و شروع در قرارتِ آنہا در فرض نمودم، ہر مرتبہ کہ آں دو سورۂ کریمہ را در فرض می خوانم احوالِ عجیبہ مشاہدہ می نمایم، و الحق کہ چوں بعلمِ شریعت رجوع نمودہ اید منعِ قرارتِ آں دو سورہ را در فرض وجہے پیدا نمی شود، بلکہ شبہ اند اختن است در قطعیتِ ایں حکمِ مجمع علیہ کہ مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ قُرْاٰنٌ۔ با آنکہ ضمِ سورۂ از واجبات است کہ ظنی ست، پس منعِ قرارتِ دو سورہ را اگرچہ ظنی باشند، وَلَوْ عَلٰی فَرْضِ الْمُحَالِ، ہیچ وجہ نباشد کہ

قرارتِ آنہا بطریق ضم بافاتحہ است، فَالْعَجَبُ مِنَ الشَّیْخِ الْمُقْتَدٰی مِثْلُ ھٰذَا الْکَلَامِ کُلُّ الْعَجَبِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْہَرِ۔

۵۱- منہا حظِ وافر از طریقِ صوفیہ بلکہ از ملّتِ اسلام کسے راست کہ فطرتِ تقلید و جبلّتِ متابعت در وے بیشتر است۔ مدارِ کار اینجا بر تقلید ست، ومناطِ امر دریں موطن بر متابعت، تقلیدِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بدرجاتِ علیا می رساند، ومتابعتِ اصفیا بمعارجِ عظمٰی می برد۔ ابوبکرؓ چوں ایں فطرت را بیشتر داشت بے توقف بسعادتِ تصدیقِ نبوت مسارعت فرمود و رئیسِ صدیقاں آمد، وابوجہل لعین چوں استعدادِ تقلید و تبعیت کمتر داشت، بآں سعادت مستسعد نگشت وپیشوائے ملعوناں شد۔

مرید ہر کمال راکہ می یابد از تقلیدِ پیرِ خود می یابد، خطائے پیر بہتر از صوابِ مرید است۔ ازیں جاست کہ ابوبکرؓ طلب سہوِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام می نماید کہ "یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ سَہْوَ مُحَمَّدٍ" وحضرتِ پیغمبر درشانِ بلالؓ فرمودہ اند کہ "سِیْنُ بِلَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ شِیْنٌ"۔ کہ بلالؓ عجمی بود در اذان اَسْھَدُ می گفت بسین مہملہ ونزد خدائے عزوجل وعلا اَسْھَدُ او اَشْھَدُ است، پس خطائے بلالؓ بہتر از صوابِ دیگراں باشد۔

ع براشہد تو خندہ زند اسہدِ بلالؓ

از عزیزے شنیدہ ام کہ می گفت بعضے از ادعیہ کہ از مشائخ

منقول است، و اتفاقاً آں مشائخ در بعضے آں ادعیہ خطا کردہ اند و محرّف خواندہ، اگر متابعانِ ایشاں آں ادعیہ را ہمماں صرافت کہ مشائخ خواندہ اند بخوانند تاثیری بخشد، و اگر درست کردہ بخوانند از تاثیر خالی می مانند ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی تَقْلِیْدِ اَنْبِیَائِہٖ وَمُتَابَعَةِ اَوْلِیَائِہٖ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِہٖ عَلَیْہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی مُتَابِعِیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

۵۲- منہا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سید المرسلین است علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات، فکیف سائر البشر و حضرتِ عیسیٰؑ و موسیٰؑ را علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات اگرچہ از مقامِ تجلی ذات نصیبے است عَلٰی قَدْرِ الْمَرْتَبَةِ وَالْاِسْتِعْدَادِ۔ قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی خِطَابًا لِّمُوْسٰی وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ "اَیْ لِذَاتِیْ" و حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ است و کلمۂ اوست سبحانہ و کثیر المناسبت است بآں سرور علیہ الصلوٰة والسلام، اما حضرتِ ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰة والسلام باوجودِ آں کہ در مقامِ تجلیٔ صفات است۔ اما حدید البصر است۔ شانِ خاصے کہ پیغمبرِ ما را در مقامِ تجلیٔ ذات میسر شدہ است، حضرت ابراہیمؑ را در مقامِ تجلیٔ صفات حاصل گشتہ، مَعَ التَّفَاوُتِ الْاِسْتِعْدَادِیْ بَیْنَہُمَا۔ پس بایں اعتبار او از حضرتِ عیسیٰؑ و موسیٰؑ افضل باشد، و حضرتِ عیسیٰؑ از حضرتِ موسیٰؑ افضل است، و رتبہ او فوقِ حضرتِ موسیٰؑ است، و حدید البصر ست و ناقد النظر۔ بعد از ایشاں حضرتِ

نوحؑ است، علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰة والسلام ومقامِ حضرتِ نوحؑ در مقامِ
صفات ہر چند بالاتر از مقامِ حضرتِ ابراہیمؑ است، اما حضرتِ ابراہیمؑ
را دراں مقام شانِ خاص ست وحدتِ بصرست کہ دیگرے را نیست،
لیکن اولادِ کرامِ ایشاں را ازاں مقام نیز نصیب ست بہ تبعیت و فرعیت،
وحضرتِ آدمؑ بعد از حضرتِ نوحؑ است، عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلٰی جَمِیْعِهِمُ
الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ هٰذَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ وَاَلْهَمَنِیْ بِفَضْلِهٖ وَ
كَرَمِهٖ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔

۵۳ - منہا سالکے کہ سیرِ او در تفصیلِ اسما و صفات افتاد،
راہِ وصولِ او بحضرتِ ذات جل سلطانہ مسدود گشت، چہ اسما و صفات
را نہایت نیست، تا بعد از قطعِ آنہا بمقصدِ اقصیٰ تواند رسید۔ مشائخ
ازیں مقام خبر دادہ اند کہ مراتبِ وصول را نہایت نیست، زیرا کہ کمالاتِ
محبوب نہایت ندارد، و مراد از وصول ایں جا وصلِ اسمائی و صفاتی ست۔
سعادتمند کسے است کہ سیرِ او در اسما و صفات بطریقِ اجمال واقع شدہ
و بسرعت واصلِ حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس گشتہ۔ واصلانِ ذات را
بعد از وصول بنہایت النہایت رجوع بدعوت لازم است، و عدمِ رجوع
آں موطن متصور نہ، بخلاف متوسطاں کہ بعد از وصولِ شاں بنہایتِ
استعدادِ خود رجوع لازم نیست، تواند بود کہ رجوع نمایند و تواند بود کہ
اقامت ورزند۔ پس مراتبِ وصولِ منتہیاں را بتمام متصور ست بلکہ لازم،
و مراتبِ وصولِ متوسطاں را کہ بتفصیلِ اسمائیہ و [illegible] ذاتی رفتہ اند نہایت نہ،

این علم از جملۂ علوم مخصوصۂ این فقیر ست. وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔

۵۴۔ **منہا** مقامِ رضا فوقِ جمیع مقاماتِ ولایت است، وحصولِ این مقامِ عالی بعد از تمامی سلوک وجذبہ است، اگر پرسند کہ رضا از ذاتِ حق سبحانہٗ واز صفاتِ او تعالیٰ واز افعالِ او سبحانہٗ واجب ست ودر نفسِ ایمان ماخوذ، پس عامۂ مؤمنان را ازاں چارہ نبود۔ پس حصولِ آنرا بعد از تمامی سلوک وجذبہ معنی چہ باشد؟۔

در جواب گوئیم کہ رضا را صورتے ست وحقیقتے در رنگِ سائرِ ارکانِ ایمان، در اوائلِ تحققِ صورت ست ودر نہایت تحققِ حقیقت، وچوں منافی رضا ظاہر نشود ظاہرِ شریعت حکم بحصولِ رضا می فرماید۔ در رنگِ تصدیقِ قلبی کہ چوں منافی تصدیق یافتہ نشود حکم بحصولِ تصدیق می کنند، وَمَا نَحْنُ بِصَدَدِهٖ حُصُوْلُ حَقِيْقَةِ الرِّضَا لَا صُوْرَتُهٗ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ۔

۵۵۔ **منہا** سعی باید کرد کہ عمل بہ سنت میسر شود واجتناب از بدعت، علی الخصوص بدعتے کہ رافع سنت باشد، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ دِيْنِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ۔ عجب می آید از حالِ جماعتے کہ در دین باوجودِ اکمال واتمامِ آں چیزہا احداث می کنند، وبآں محدثات تکمیلِ دین می جویند، وباک ندارند از انکہ مبادا ازیں مخترع رفعِ سنت شود۔ مثلاً ارسالِ فش بین الکتفین سنت است، جمعے ارسالِ فش را در جانبِ یسار اختیار کردہ اند، وباین عمل تشبہ بموتیٰ منظور داشتہ،

وخلق کثیر بایشان دریں فعل اقتدا نمودہ، ندانستہ اند کہ ایں عملِ رفعِ سنت می نماید و از سنت بہ بدعت می برد و بحرمت می رساند. تشبہ بمحمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہتر ست یا تشبہ بموتیٔ او ست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہ مشرف شدہ بموتے کہ پیش از موت است، اگر تشبہ بمیّت جویند ہم باو سزاوار ست۔

عجب کار است کہ در کفنِ میّت عمامہ ہم بدعت ست، چہ جائے فنشِ او، و بعضے از متاخران کہ عمامہ در کفنِ میت کہ از علما باشد مستحسن داشتہ اند، نزدِ فقیر زیادتی کردن نسخ ست، و نسخ عین رفع، ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی مُتَابَعَۃِ السُّنَّۃِ السَّنِیَّۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی مَصْدَرِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا۔

۵۶۔ **منہا** روزے احوالِ جنیاں را بریں درویش منکشف ساختند، دید کہ جنیاں در کوچہا بسنگِ مردم می گردند، و بر سرِ ہر جن فرشتہ است موکل، و آں جن از ترسِ موکلِ خود سر نمی تواند برداشت، و بیمین و یسارِ خود نظر نمی تواند انداخت، در رنگِ مقیداں و محبوساں می گشتند و اصلا مجالِ مخالفت نداشتند، اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا۔ و در آں وقت ایں چناں معلوم می شد کہ گویا بر دستِ موکل گرزیست آہنی، کہ اگر از جن اندک مخالفت احساس نماید، بیک ضرب کارِ او را کفایت کند۔ ؎

خدائے کہ بالا و پست آفرید
زبردست ہر دست دست آفرید

لہ یعنی نیابت بر قدر مسنون نسخ آں قدر ست و نسخ آں رفع سنت است۔

۵۷۔ **منہا** ولی ہر کمالے کہ می یابد و بہر درجہ کہ می رسد بطفیلِ متابعتِ نبیِّ خود ست، علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اگر متابعتِ نبی نمی بود نفسِ ایمان روئی نمی نمود، وراہ بدرجاتِ علیا از کجا می کشود۔ پس اگر ولی را فضلے از فضائلِ جزئیہ حاصل شود کہ نبی را حاصل نبودہ، و درجۂ خاص از درجاتِ عُلیا میسر شود، کہ نبی نہ داشتہ باشد، نبی را نیز ازاں فضلِ جزئی و ازاں درجۂ خاص نصیبِ کامل است، چہ حصولِ آں کمال بواسطۂ متابعتِ آں نبی است، و نتیجہ است از نتائجِ اتباعِ سنتِ او۔ پس ناچار نبی را ازاں کمال بہرۂ تمام باشد، كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ لیکن ولی در حصولِ ایں کمال سابق ست، و در وصول بایں درجہ مقدم، و ایں قسم فضل ولی را بر نبی جائز داشتہ اند کہ جزئی است کہ مجالِ معارضہ بکلی ندارد، و آنچہ صاحبِ فصوص می گوید کہ خاتم الانبیاء علوم و معارف را از خاتم الولایۃ اخذ می کند، راجع بایں معرفت است کہ ایں فقیر را بآں ممتاز ساختہ اند و سراسر موافقِ شریعت است، و شراحِ فصوص در تصحیحِ آں تکلف نمودہ اند و گفتہ اند کہ خاتم الولایت خزینہ دارِ خاتم النبوت است، اگر پادشاہ از خزینۂ خود چیزے بگیرد ہیچ نقص لازم نیاید، وَحَقِيْقَةُ الْأَمْرِ مَا حَقَّقْتُهٗ وَمَنْشَأُ التَّكَلُّفِ عَدَمُ الْوُصُوْلِ بِحَقِيْقَةِ الْمُعَامَلَةِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُوْرِ كُلِّهَا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْبَشَرِ وَآلِهِ الْأَطْهَرِ۔

۵۸ - منها ولایتِ ولی جزوے ست از اجزائے ولایتِ نبیِ او
علیہ الصلوٰۃ والسلام، ولی را ہرچند درجاتِ علیا میسر شود آں درجات
جزوے ست از اجزائے درجاتِ آں نبی خواہد بود، جزو ہرچند عظمت پیدا کند
کمتر از کل خواہد بود، کہ "اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ" قضیہ بدیہیہ است۔ نا
احمقے باشد کہ کلانیِ جزو را تخیل نمودہ از کل افزوں داند، کہ کل عبارت
ازاں جزو واز اجزائے دیگر است۔

۵۹ - منها صفاتِ واجبی تعالت وتقدست سہ قسم اند،
قسمِ اول صفاتِ اضافیہ اند کالخالقیۃ والرازقیۃ۔ وقسمِ ثانی صفاتِ
حقیقیہ اند اما رنگے از اضافت دارند، کالعلمِ والقدرۃِ والارادۃِ و
السمعِ والبصرِ والکلامِ، وقسمِ ثالث حقیقتِ صرف است، کالحیوۃِ
فانّہ لا مزج فیہ من الاضافۃ ونعنی بالاضافۃ التعلق بالعالم۔
وقسمِ ثالث اعلائے اقسامِ ثلثہ است، وجامع ترین جمیع اقسام واز امہات
صفات، صفتِ علم باوجودِ جامعیت تابع صفتِ حیات است، ودائرۂ
صفات وشیونات بحیات منتہی می گردد، ودروازۂ وصول بمطلوب ہم او ست
وچوں صفتِ حیات فوقِ صفتِ علم ست، لاجرم وصول بآں موطن بعد
از طیِ مراتبِ علم خواہد بود، علم ظاہر باشد یا باطن، علمِ شریعت باشد یا
طریقت، وکسے کہ داخلِ آں دروازہ شدہ است اقلِّ قلیل است، از
بس کوچہا نظر ہا بدروں انداختہ اند، وآں جماعہ ہم اقلاں اند۔ اگر رمزے
از اسرار ایں مقام گویم قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ

سُبْحَانَهٗ وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ ؎ وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ
وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى
اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

۶۰۔ **منها** حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ از مثل منزّہ است۔
لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ اما مثال جائز داشتہ اند، ومَثَل تجویز نمودہ۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ
الْاَعْلٰى۔ اربابِ سلوک واصحابِ کشوف را تسلّی بمثال می دہند وآرام
بخیال می بخشند بے چون را بمثالِ چون وامی نمایند، وجوب را بصورتِ
امکان جلوہ گری سازند۔ بیچارہ سالک مثال را عین ذی مثال می انگارد،
وصورت را عین ذی صورت۔ ازیں جاست کہ صورتِ احاطہ حق سبحانہ وتعالیٰ
را در اشیا می بیند، ومثالِ آں احاطہ را در عالمِ مشاہدہ می نماید، وخیال
می کند کہ مشہود حقیقتِ احاطۂ حق است سبحانہ نہ چنیں است، بلکہ احاطۂ
او تعالیٰ بے چون وبے چگون ست ومنزّہ است، ازاں کہ در شہود درآید
ومکشوفِ احدے گردد۔ وایمان آریم کہ او سبحانہ محیط است بہر شے۔ امّا
احاطۂ اورا ندانیم کہ چیست۔ وآنچہ دانیم شبہ ومثالِ آں احاطہ است،
وہم بریں قیاس است قرب او تعالیٰ ومعیتِ او سبحانہ کہ مشہود ومکشوف
از آنہا شبہ ومثال است، نہ حقیقت، بلکہ حقیقتِ آنہا مجہول الکیفیت
است۔ ایمان آریم کہ او تعالیٰ قریب است وباماست، اما ندانیم کہ حقیقتِ
قرب ومعیتِ او تعالیٰ چیست۔ وتواند بود کہ آنچہ در حدیثِ نبوی آمدہ،
عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ، "يَتَجَلّٰى رَبُّنَا ضَاحِكًا"

باعتبارِ صورتِ مثالی باشد۔ چہ حصولِ کمالِ رضا در مثال بصورتِ ضحک نمودہ باشد، و اطلاقِ یَدْ و وَجْہ و قَدَمْ و اِصْبَعْ نیز تواند بود کہ باعتبارِ صورتِ مثالی باشد۔ هٰكَذَا اَعْلَمَنِيْ رَبِّيْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۤءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ۔

۶۱۔ **منها** اگر در عبارتِ آں عالی حضرت کہ در بیانِ احوال و مواجید و علوم و معارف ست تناقضے و تدافعے مفہوم گردد، حمل بر اختلافِ اوقات و تنوعِ اوضاع باید نمود، چہ در ہر وقتے احوال و مواجید علیحدہ است، و در ہر وضعے علوم و معارف جدا ست، پس فی الحقیقت تناقض و تدافع نباشد۔ مَثَلِ ایں مَثَلِ احکامِ شرعیہ است، کہ بعد از نسخ و تبدیل احکام متناقضہ می نمایند، و چوں اختلافِ اوقات و اوضاع را ملاحظہ نمودہ آید آں تناقض و تدافع مرتفع می گردد۔ وَلِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ حِكَمٌ وَمَصَالِحُ فِيْ ذٰلِكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ۔

قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ الْجَامِعُ لِهٰذِهِ النُّكَاتِ الْبَدِيْعَةِ الرَّائِعَةِ مُحَمَّدِ نِ الصِّدِّيْقِ الْبَدَخْشِيِّ الْكِشْمِيِّ الْمُلَقَّبُ بِالْهِدَايَةِ۔ فَقَدْ وَقَعَ الْفَرَاغُ عَنْ تَسْوِيْدِ هٰذِهِ الْمَعَارِفِ الْعَالِيَةِ الشَّرِيْفَةِ الْمُسَمّٰى بِالْمَبْدَاِ وَالْمَعَادِ فِيْ اَوَاخِرِ شَهْرِ رَمَضَانَ الْمُبَارَكِ حِيْنَ الْاِعْتِكَافِ سَنَةَ اَلْفٍ وَّتِسْعَةَ عَشَرَ۔

رباعی

این نسخہ کہ مبدأ و معاد ست بنام — زانفاسِ نفیسِ حضرتِ فخرِ کرام

چوں کرد ہدایت اقتباس[لہ] از سرِ صدق — در سالِ ہزار و نوزدہ[۱۰۱۹] گشت تمام

صدیق ہدایت کہ شدش چرخ بکام — ماناکہ زصدق شد ہدایت فرجام

ازیں خود چہ[عہ] عجب ولیک تحقیق این ست — کز جوشِ شرابِ احمدی یافتہ جام

تمت

ازحضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی۔

لہ "چوں کرد ہدایت انعقاد" از سرِ صدق
۹ ۲ ۹ + ۹۰ = ۱۰۱۹ھ

عہ این خود چہ عجب ولیک تحقیق این است

"ہم نوش از شرابِ احمدی" یافتہ "جام"
۵ ۷ ۹ + ۴۴ ۱۰۱۹۰ھ

اردو ترجمہ

مبدأ و معاد

از

حضرت مولانا حاجی حافظ سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف عمدۃ السلوک و عمدۃ الفقہ وغیرہ

نوٹ: اردو ترجمے کے حاشیے پر اصل فارسی صفحات کے نمبر دیئے گئے ہیں تاکہ قارئین کرام بوقتِ ضرورت اصل متن سے مطابقت کر سکیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ[1] اَحْمَدُ اللّٰہَ فِی المَبْدَاِ وَالمَعَادِ وَاُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الْاَمْجَادِ (یعنی: میں ابتداء اور انتہا میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور اس کے حبیب محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی بزرگ اولاد پر درود بھیجتا ہوں۔)

حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ یہ ایک پُر فضیلت رسالہ ہے جو لطیف و خوش آئند اشارات اور دقیق و بلند مرتبہ اسرار پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف بہت بڑے امام، بندوں پر اللہ کی حجت، اقطاب اور

[1] (نوٹ: یہ خطبہ سیفی مرحوم اور ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور کے مطبوعہ نسخوں میں حاشیہ پر درج ہے جس کا ترجمہ ملاحظہ ہو) سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور ہم کو اسلام کی طرف ہدایت دی اور ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں بنایا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ یہ بلند معرفتیں ہیں جو بہت بڑے امام اولیا و اصفیا کے پیشوا، اقطاب و ابدال کے قبلہ، احاد و افراد کے پرورش کرنے والے، ہمارے شیخ اور امام حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی، اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کو طالبین کے سروں پر دراز فرمائے، کے پاک نفوس سے اقتباس کئے گئے ہیں جو کہ اس حقیر ادنیٰ ترین بندہ اس درگاہِ عالیہ کے خادم، محمد صدیق بدخشی جس کا لقب ہدایت ہے، جمع کر کے تحریر کے احاطہ میں لایا ہے۔ امید ہے کہ یہ معارف حقیقت کے راستوں پر چلنے والے سمجھ دار لوگوں کی سمجھ کی قوت کو بڑھانے والے ہوں گے اور ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق ان سے نفع حاصل کریگا۔ واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔ (اور جو چیز تم بیان کرتے ہو اُن میں اللہ تعالیٰ مدد فرمائے)۔

اوتاد کے پیشوا، ابدال اور افراد کے قبلہ، سبع مثانی (یعنی سورۃ فاتحہ) کے اسرار و رموز کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمانے والے، حضرت مجدد الفِ ثانی، اویسی، رحمانی، عارفِ ربّانی، اسلام اور مسلمانوں کے شیخ، ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ احمد جو نسباً فاروقی، مذہباً حنفی اور مشرباً نقشبندی ہیں، حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کی ہدایت کے آفتابوں کو بلندی کے افق پر ہمیشہ تاباں رکھے اور لوگ ان کے فیوض و برکات کے چمنستان میں ہمیشہ مصروفِ گلگشت رہیں۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ۔

(ترجمہ: اللہ ہی مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے)۔

۱۔ منھا (منجملہ اُن اشارات کے یہ ہے کہ)

جذبہ و سلوک کا حصول جب اِس فقیر (یعنی خود بنفسِ نفیس حضرت امام ربّانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہ) کو اس راہ (سلوک) کا شوق پیدا ہوا تو حق تعالیٰ جلّ سلطانہ کی عنایت نے مجھے سلسلۂ حضراتِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک بزرگ خلیفہ (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وہیں سے میں نے ان بزرگوں کے طریقے کو اخذ کیا اور اُن بزرگ کی صحبت اختیار کی۔ ان بزرگ کی توجہ کی برکت سے حضرات خواجگان (نقشبندیہ) کا وہ جذبہ جو صفتِ قیومیت میں کمالِ فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا، اور اندراج النہایت فی البدایت سے بھی کسیقدر سیرابی نصیب ہوئی۔ جب یہ جذبہ اچھی طرح پختہ ہو گیا تو سلوک میں مجھے قرار حاصل ہوا، اور میں نے اس راہ کو سیرِ خدا

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روحانی تربیت کے ذریعہ انجام تک پہنچایا۔

بیانِ عروج و تائید حضراتِ خلفاء و مشائخ

یعنی مجھے اس اسم تک عروج حاصل ہو گیا جو میرا مربی یعنی پرورش کنندہ تھا۔ اور پھر حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت کی مدد سے اس اسم سے قابلیتِ اولیٰ کے درجے تک عروج حاصل کیا جسے حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ . . . . اور پھر اس کے بعد مجھے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانی دستگیری سے اُس قابلیتِ اولیٰ سے بھی بلندی نصیب ہوئی، اور وہاں سے پھر میں اس مقام تک پہنچ گیا جو اُس قابلیت سے بھی بلند تر ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ قابلیت گویا اس مقام کی خصوصی تفصیل ہے اور وہ مقام اُس کا اجمال ہے، یہ مقام، اقطابِ محمدیہ کا مقام کہلاتا ہے اور اس فقیر کو اس مقام تک ترقی حضرتِ ختمی مرتبت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روحانی تربیت سے حاصل ہوئی، اس مقام تک پہنچنے کے وقت اس فقیر کو حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار[1] قدس سرہٗ کی روحانیت سے بھی ایک گونہ امداد حاصل رہی، جو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ اسرارہٗ

---

[1] حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محمد بن محمد ہے حضرت خواجہ نقشبندؒ کے اجل خلفا میں سے تھے، چنانچہ اپنی حیات ہی میں خواجہ بزرگؒ نے اپنے بہت سے مریدوں کی ہدایت کا کام آپ کو سپرد کر دیا تھا۔ علمِ شریعت میں بھی کامل تھے اور اتباعِ سنت اور عمل میں عزیمت میں ایک خاص شان رکھتے تھے، ۲۰ رجب ۸۰۲ھ کو یوم چہارشنبہ بوقت شب وفات ہوئی مزار مبارک موضع جغانیاں ما وراء النہر میں ہے۔

کے خلیفہ اور خود قطبِ ارشاد ہیں۔ اقطاب کا منتہائے عروج اسی مقام تک ہے اور دائرۂ ظلیت بھی اسی مقام تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اصلِ خالص کا مقام ہے یا اصل اور ظل ملے ہوئے ہیں۔ افراد کی ایک جماعت کو اس دولت تک پہنچنے کا امتیاز حاصل ہے۔ بعض اقطاب کو بھی افراد کی صحبت کے ذریعے سے اس مقامِ ممتزج (یعنی اصل ظل آمیز) تک عروج حاصل ہو جاتا ہے جہاں انھیں اس اصل ظل آمیز (ممتزج بہ ظل) کا مشاہدہ میسر ہو جاتا ہے۔ لیکن اصلِ خالص تک پہنچ جانا یا اصلِ خالص کا بتفاوتِ درجات مشاہدہ کرنا صرف افراد ہی کا خصوصی امتیاز ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ ص ۱۱

(یعنی یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ بہت ہی بڑے فضل والا ہے)۔

اور اس فقیر کو اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام کہلاتا ہے، سردارِ دین و دنیا علیہ الصلوات والتسلیمات المبارکات والتحیات النامیات کی جانب سے قطبیتِ ارشاد کی خلعت عطا ہوئی، اور مجھے اس منصب پر سرفراز فرمایا گیا۔ اس کے بعد پھر عنایتِ خداوندی جل شانہٗ و عم احسانہٗ شاملِ حال ہوئی تو اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا چنانچہ ایک مرتبہ اصلِ ظل آمیز تک رسائی حاصل ہوئی اور اس مقام میں بھی گذشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی، اور پھر وہاں سے اصل کے مقامات تک ترقی عطا فرمائی گئی حتیٰ کہ اس فقیر کو مقام

اصل الاصل تک پہنچا دیا گیا۔ اس آخری عروج میں جو کہ مقاماتِ اصل کا عروج ہے اس فقیر کو حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی روحانیت کی امداد حاصل رہی اور ان کی قوتِ تصرف نے ان تمام مقامات سے گذار کر اصل الاصل کے مقام تک واصل فرما دیا اور پھر وہاں سے مجھے اس دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کرتے رہے تھے۔

اور اس فقیر کو اس نسبتِ فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے اپنے والد (مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ) سے حاصل ہوا تھا اور میرے والد ماجدؒ کو یہ نسبت اپنے ایک عزیز (بزرگ حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہٗ) سے جو جذبۂ قوی کے مالک تھے اور کراماتِ و خوارقِ عادات میں مشہور تھے حاصل ہوئی تھی۔ لیکن یہ فقیر اپنی بصیرت کی کوتاہی اور اس نسبت کے محض گاہے گاہے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے سلوک کی منزلیں طے کر لینے سے پہلے تک اس نسبت کو اپنے اندر نہیں پاتا تھا اور نہ اس بات کا قطعاً کوئی علم تھا کہ یہ نسبت مجھے حاصل ہے۔ نیز اس فقیر کو عباداتِ نافلہ خصوصاً نفل نمازیں ادا کرنے کی توفیق بھی والد ماجد ہی کی مدد سے حاصل ہوئی تھی اور میرے والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (یعنی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور ان کے صاحبزادے شاہ رکن الدین قدس سرہما) سے حاصل ہوئی تھی جو چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

ص ۱۲

علمِ لدنی کا حصول نیز اس فقیر کو علومِ لدنی کی توفیق حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روحانیت سے حاصل ہوئی لیکن یہ صورتِ حال اس وقت تک ہی رہی جب تک کہ میں مقامِ اقطاب سے نہیں گذر گیا۔ مگر اس مقام سے گذر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد علوم کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا، یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے، کسی غیر کی مجال نہ رہی کہ وہ درمیان میں آسکے۔

بیانِ نزول و تائیدِ مشائخ سلاسلِ مختلفہ اور نیز اس فقیر کو نزول کے وقت میں جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے میں نے کافی حصہ حاصل کیا۔ اور ہر مقام کے مشائخ میرے کام میں معاون و مددگار ہوئے اور انھوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین انتخابات سے ایک بڑا حصہ مجھے عطا فرمایا۔ سب سے پہلے اکابرِ چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور اس مقام سے ایک بہت بڑا حصہ مجھے نصیب ہوا۔ ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی روحانیت نے دیگر مشائخ سے کہیں زیادہ میری امداد فرمائی۔ اور سچ یہ ہے کہ یہ حضرت اس مقام میں بڑی شان کے مالک ہیں، بلکہ اس مقام کے رئیس ہیں۔

اس کے بعد اکابرِ کبرویہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام پر گذر ہوا، دونوں مقامات عروج کے اعتبار سے مساوی درجہ کے ہیں۔ لیکن یہ مقام

فوق سے نزول کرتے ہوئے اس شاہراہ کے دائیں جانب پڑتا ہے اور پہلا مقام اس صراطِ مستقیم کے بائیں جانب پڑتا ہے۔ اور یہ شاہراہ (یا صراطِ مستقیم) وہ راستہ ہے کہ اقطاب ارشاد میں سے بعض اکابر اسی راستہ سے فردیت کے مقام تک پہنچتے ہیں اور آخری انتہا تک رسائی حاصل کرلیتے ہیں۔ افرادِ تنہا (یعنی بلا قطبیت) کا راستہ دوسرا ہے۔ بغیر قطبیت کے اس راہ سے گذرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ مقام، مقامِ صفات اور اس شاہراہ کے درمیان میں واقع ہوا ہے۔ گویا کہ یہ مقام ان دونوں مقامات کے درمیان میں ایک برزخ ہے جسے دونوں طرف سے فیوض و برکات کا حصہ ملا ہے۔ اور پہلا مقام اس شاہراہ کے دوسری جانب واقع ہوا ہے جو صفات سے کم مناسبت رکھتا ہے۔

اکابرِ سہروردیہ کے مقام کی خصوصیات

اس کے بعد اکابرِ سہروردیہ کے مقام پر عبور حاصل ہوا جس کے رئیسِ طریقہ حضرت شیخ شہاب الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہیں، یہ مقام اتباعِ سنت کے نور سے آراستہ و پیراستہ ہے، علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ. اور مشاہدہٴ فوق الفوق (برتر از برتر) کی نورانیت سے مزین ہے اور عبادتوں کی توفیق اس مقام کی رفیق ہے (یعنی اس مقام والوں کو حاصل ہے) بعض سالکوں کو جو ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے اور عباداتِ نافلہ میں مشغول اور اس پر مطمئن ہیں انھیں بھی اس مقام کی مناسبت کے ذریعہ سے اس مقام کا کچھ حصہ نصیب ہوا ہے، بلا واسطہ عباداتِ نافلہ اس مقام کے مناسب

ہیں۔ دوسرے لوگوں کو خواہ وہ مبتدی ہوں یا منتہی اسی واسطے سے اس مقام کے ساتھ مناسبت ہے۔ اور یہ مقام نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ جو نورانیت اس مقام میں مشاہدہ میں آتی ہے دوسرے مقامات میں بہت کم ہے۔ اس مقام کے مشائخ بوجہ کمال اتباع کے نہایت عظیم الشان اور بلند مرتبہ ہیں اور اپنے ہم جنسوں میں پوری طرح پر ممتاز ہیں۔ جو کچھ اِن حضرات کو اس مقام میں میسر ہوا ہے وہ دوسرے مقامات میں میسر نہیں ہے۔ اگرچہ عروج کے اعتبار سے وہ مقامات اس مقام سے بلند ہیں۔ م۱۴

نزول بمقامِ جذبہ | اس کے بعد مجھے مقامِ جذبہ میں نزول حاصل ہوا اس مقام میں بے شمار جذبات کے مقامات شامل ہیں۔ پھر اس مقام سے بھی نیچے نزول ہوا۔ نیچے نزول ہونے کے جو مراتب ہیں ان کی انتہا مقامِ قلب پر ہوتی ہے جو ایک حقیقتِ جامعہ ہے، اور ارشاد و تکمیل کا تعلق اسی مقام تک نزول ہونے پر ہے۔ چنانچہ مجھے اس مقام پر نزول حاصل ہوا۔ اس سے پیشتر کہ مجھے اس مقام میں قرار و پختگی حاصل ہو پھر ایک عروج نصیب ہوا۔ اس وقت میں نے سایہ کی طرح اصل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اس عروج سے جو مقامِ قلب میں نصیب ہوا مجھے پوری پختگی حاصل ہو گئی۔ والسلام۔

۲ - منہا

قطب الارشاد اور اس کا فیضانِ عام | قطبِ ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے، بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ بہت صدیوں اور

نمانوں کے بعد اس انداز کا کوئی جوہر ظاہر ہوتا ہے اور یہ دنیائے تاریک اس کے ظہور کے نور سے منور ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ارشاد و ہدایت کا نور ساری دنیا کو محیط ہو جاتا ہے۔ عرش کے دائرہ سے زمین کے مرکز تک جس کو بھی رشد، ہدایت، ایمان اور معرفت حاصل ہوتی ہے، اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے، اس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص بھی اس دولت تک رسائی نہیں پا سکتا۔ مثال کے طور پر اس کا نورِ ہدایت ایک بحرِ بیکراں کی صورت میں پوری دنیا کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اور وہ دریا گویا کہ منجمد (جما ہوا اور بستہ) ہے کہ اس میں مطلقاً کوئی حرکت نہیں۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے، یا یہ کہ وہ بزرگ خود کسی طلبگار کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران گویا کہ ایک سوراخ اس طلبگار کے دل میں کھل جاتا ہے اور اس راستے سے جسقدر توجہ اور اخلاص ہوتا ہے اسی قدر وہ اس دریا سے سیراب ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو ذکرِ الٰہی جل شانہ کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز بزرگ کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ لیکن اس کی یہ بے توجہی کسی انکار کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اس بزرگ کو پہچانتا ہی نہیں ہے تو اسی اندازہ کی فیض رسانی اسے بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ فیض رسانی پہلی صورت میں دوسری صورت سے زیادہ ہوتی ہے۔

۱۵

قطب الارشاد کا انکار البتہ جو شخص اس بزرگ کا منکر ہو، یا اس بزرگ کو

اس شخص سے کوئی گرانی ہو تو وہ کتنا ہی ذکر الٰہی تعالیٰ و تقدس میں مشغول رہا کرے لیکن وہ رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہی رہتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس شخص کو فیض نہ پہنچانے کا کوئی ارادہ کرے یا اُسے نقصان پہنچانے کا قصد کرے، اس کا یہ انکار ہی اس کے فیض کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ہدایت کی حقیقت اس کو حاصل نہیں ہوگی جو کچھ حاصل ہے وہ ہدایت کی صورت ہے۔ بلا حقیقت کے صرف صورت سے لوگوں کو بہت کم نفع پہنچتا ہے۔

قطب الارشاد سے اخلاص اور جو گروہ اس بزرگ کے ساتھ اخلاص و محبت رکھتا ہے، خواہ وہ توجہ مذکور اور ذکر الٰہی تعالیٰ شانہٗ سے کتنا ہی خالی کیوں نہ ہو ایسے لوگوں کو بھی محض ان کی محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (جو لوگ ہدایت کی پیروی کریں ان پر سلامتی ہو)۔

۳ - منہا

مقام تکمیل (کارکنانِ قضا و قدر نے) جو دروازہ سب سے پہلے اِس فقیر کے لئے کھولا وہ ذوقِ یافت[۱] کا تھا۔ یافت[۲] کا نہیں تھا۔ دوسرے درجہ میں یافت میسر ہوئی اور ذوقِ یافت گم ہو گیا۔ اور تیسرے درجہ میں ذوقِ یافت کی طرح یافت بھی گم ہو گئی۔ ذیل میں عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"بس دوسری حالت (یعنی یافت کا مقام) ولایتِ خاصہ تک پہنچ جانے اور کمال کی حالت ہے اور تیسرا مقام (یعنی جہاں

---

[۱] پالینے کا ذوق۔ [۲] پالینا۔

ذوقِ یافت کی طرح یافت بھی گم ہو جاتی ہے) تکمیل کا مقام ہے
یعنی دعوت وارشاد کے لئے مخلوق کی طرف واپس آجانے کا مقام
ہے۔ پہلی حالت (جس میں صرف ذوقِ یافت حاصل ہوتا ہے) صرف
جذبہ کی سمت میں کمال ہے۔ لیکن جب اس کے ساتھ سلوک
بھی شامل ہو جائے اور وہ مکمل ہو جائے تو دوسری حالت پھر تیسری
حالت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ مجذوب جو سلوک سے عاری
ہو، اُسے دوسری اور تیسری حالت سے بالکل کوئی حصہ نہیں ملتا
لہٰذا خود کامل اور دوسرے کو کامل بنانے والا وہ مجذوب ہے جو سالک
بھی ہو (یعنی مجذوب سالک ہو) اس کے بعد وہ سالک ہے جو
مجذوب بھی ہو (یعنی سالک مجذوب ہو) اور جو ان دونوں کے علاوہ
ہو (یعنی جو محض مجذوب ہو یا محض سالک ہو) وہ ہرگز نہ خود کامل
ہوتا ہے نہ دوسروں کو کامل کرنے والا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ان کوتہ کاروں
میں سے نہ بن۔ اور درود و سلام ہو حضرتِ خیر البشر سیدنا محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) پر اور آپ کی پاک ترین آل پر۔

۴ ـ منہا

نسبتِ نقشبندیہ: ماہِ ربیع الثانی کے آخری دنوں میں یہ فقیر ایک بزرگ
(حضرتِ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت سے شرف اندوز ہوا۔ اس
بزرگ خاندان (نقشبندیہ) کے خلیفہ تھے۔ اور ان بزرگوں کے طریقہ کو حاصل
کرکے اسی سال نصف ماہِ رجب میں اس فقیر کو (نقشبندی سلسلے کے)

صلا

حضورِ (قلب) کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس مقام میں، آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی (اندراجِ نہایت در ہدایت) کا منظر درپیش ہوتا ہے۔ ان بزرگ (خواجہ صاحبؒ) نے فرمایا کہ نقشبندی نسبت دراصل اسی حضورِ (قلب) کا نام ہے اور پورے دس سال اور چند ماہ کے بعد ماہ ذیقعدہ کے نصفِ اول میں وہ انتہا (نہایت) جو ابتدا (ہدایت) ہی میں بے شمار ابتداؤں (ہدایات) اور درمیانی درجوں (اوساط) کے بیشمار پردوں کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی، نقاب چاک کرکے عیاناً جلوہ گر ہوگئی۔ اور یہ یقین حاصل ہوگیا کہ آغاز (ہدایت) میں جو تجلی نظر آئی تھی وہ اسی اسم کی صورت تھی (جس کی حقیقت اب سامنے آئی ہے) اور وہ اسی پیکر کا ایک سایہ یا پرچھائیں تھی اور اسی مسمیٰ کا ایک اسم تھا۔ ان دونوں (یعنی ابتدا و انتہا) میں بہت بڑا فرق ہے۔ حقیقتِ حال اس مقام پہ پہنچکر منکشف ہوئی اور معاملہ کا راز یہاں پہنچکر ظاہر ہوا جس نے اس ذوق کو چکھا ہی نہیں وہ اسے ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنَامِ وَاٰلِهِ الْکِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ

(درود و سلام ہو حضرت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی بزرگ اولاد پر اور اصحابِ عظام پر)۔

۵۔ منہا

اظہارِ نعمت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور جو کچھ تیرے پروردگار کا تجھ پر انعام ہو تو اسے بیان کر دیا کر)۔ یہ فقیر اپنے دوستوں کے حلقہ میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا اور اپنی کمزوریوں پر غور کر رہا تھا۔ یہ فکر اس حد تک غالب تھا!

آچکی تھی کہ اپنے آپ کو (درویشی کی) اس وضع میں بغیر کامل مناسبت کے محسوس کر رہا تھا۔ اسی عرصہ میں بہ مصداق مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (یعنی جو اللہ کے لئے انکساری کرتا ہے، خدائے تعالیٰ اُسے اور بلند فرما دیتا ہے)۔۔۔ (کارکنانِ قضا و قدر نے) اس دور افتادہ کو ذلت کی خاک سے اٹھایا (اور مزید بلند کر دیا) اور میرے باطن میں یہ ندا دی کہ غَفَرْتُ لَکَ وَلِمَنْ تَوَسَّلَ بِکَ اِلَیَّ بِوَاسِطَۃٍ اَوْ بِغَیْرِ وَاسِطَۃٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (میں نے تجھے بخش دیا اور قیامت تک پیدا ہونے والے ان تمام لوگوں کو بھی بخش دیا جو تیرے وسیلے سے مجھ تک پہنچیں، خواہ یہ وسیلہ بالواسطہ ہو، یا بلاواسطہ)۔ اور اسی مضمون کو اس حد تک بار بار دہرانے کی نوازش فرماتے رہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس نعمت پر حق تعالیٰ سبحانہ کی بے شمار حمد و ثنا ہے۔ ایسی حمد و ثنا جو پاکیزہ ہو، جس میں برکت ہو اور جس کے اوپر بھی برکت ہو، جیسی کہ ہمارا پروردگار پسند فرمائے اور جس سے وہ راضی ہو۔ اور درود و سلام ہو اس کے رسول ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر، ایسا درود و سلام جو آپ کی شان کے شایاں ہو۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس واقعہ کو ظاہر کر دوں ؎

اگر پادشہ بر در پیر زن ۔۔۔ بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ترجمہ

گر آئے پادشہ بڑھیا کے در پر ۔۔۔ نہ کر تو عیب جوئی خواجہ اُس پہ

اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ (یقیناً تیرا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے)۔

۶۔ منہا

سیر الی اللہ | سیر الی اللہ (خدا کی طرف سیر) کا مطلب اسمائے الٰہی جل شانہ میں سے اس اسم تک سیر کرنا ہوتا ہے جو اُس سالک کا مبدأ تعین ہے۔ (یعنی یہیں سے متعین طور پر سالک کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی کونسی صفت میں سیر کر رہا ہے)۔

سیر فی اللہ | اور سیر فی اللہ سے مراد اُس اسم میں سیر کرنا ہے جو اُس ذاتِ احدیت کی بارگاہ تک منتہی ہو جائے جو اسماءُ وصفات، شیون اور اعتبارات کے تصور سے خالی اور پاک ہے۔ یہ تشریح اس صورت میں صحیح ہوگی کہ اسمِ مبارک "اللہ" سے ایسا مرتبۂ وجوب مراد لیا جائے جو کہ تمام اسماء وصفات کو جامع ہے۔ لیکن اگر اس اسمِ مبارک سے مراد خدائے تعالیٰ کی ذاتِ محض لی جائے (اور اسماء وصفات سے قطع نظر کر لی جائے) تو ایں مرکورہ معنی کے اعتبار سے سیر فی اللہ، سیر الی اللہ ہی میں داخل ہوگی۔

سیر عن اللہ باللہ | اور اس معنی کی بنا پر سیر الی اللہ سے الگ) سیر فی اللہ بالکل بھی متحقق نہیں ہوتی کیونکہ جو سیر کہ ذاتِ محض میں ہو نہایۃ النہایۃ کے نقطہ میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس نقطہ تک پہنچنے کے بعد تو بلا کسی توقف کے سالک کو دنیا کی طرف آجانا پڑتا ہے۔ اسے (صوفیہ کی اصطلاح میں) سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی معرفت ہے کہ صرف ان حضرات کے ساتھ مخصوص ہے جو نہایت النہایت کے مقام تک واصل ہو چکے ہوں۔ اولیاء اللہ میں سے اس فقیر کے سوا

کسی نے بھی اس (خصوصی) معرفت کے متعلق گفتگو نہیں فرمائی۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ (اللہ جسے چاہتا ہے اپنی طرف برگزیدہ کر لیتا ہے) تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور تمام رسولوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی تمام آل پر درود و سلام ہو۔

۷۔ منہا

کمالاتِ ولایت کے درجات کمالاتِ ولایت میں لوگوں کی پیشقدمی مختلف انداز کی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن میں درجاتِ ولایت میں سے صرف ایک ہی درجہ کو حاصل کرنے کی استعداد ہوتی ہے۔ دوسرے کچھ لوگوں میں دو درجوں کی استعداد ہوتی ہے۔ بعض لوگوں میں تین درجوں کی استعداد ہوتی ہے۔ ایک گروہ ایسا بھی ہوتا ہے جس میں چار درجوں کی استعداد ہوتی ہے اور گنے چنے افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں پانچ درجوں کی استعداد ہوتی ہے۔ لیکن ایسے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں ان پانچ درجوں میں سے پہلے درجے کے حاصل ہونے کا تعلق تجلّیٔ افعال سے ہوتا ہے اور درجۂ ثانی کا تعلق تجلّیٔ صفات سے ہوتا ہے اور آخری تین درجوں کا تعلق ذاتی تجلیات سے ہوتا ہے۔ جس کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ اس فقیر کے زیادہ تر احباب درجاتِ مذکورہ میں سے تیسرے درجے کی مناسبت رکھتے ہیں۔ اور تھوڑے سے لوگ ہیں جنھیں چوتھے درجہ کی مناسبت ہے۔ اور ان سے بھی کم یعنی چند ایک حضرات ایسے بھی ہیں

جنھیں پانچویں درجے سے مناسبت ہے۔ یہ پانچواں درجہ درجاتِ ولایت کا آخری درجہ ہے۔ اور جو کمال اس فقیر کے نزدیک قابلِ اعتبار ہے وہ ان تمام درجات سے آگے کی چیز ہے۔ لیکن اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد سے اس کمال کا ظہور نہیں ہوا۔ یہ کمال جذبہ وسلوک کے کمال سے بلند درجہ کی چیز ہے۔ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کمال کا ظہور حضرت امام مہدیؑ کی ذات میں ہوگا۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ ط ۱۹

(حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو)

۸ - منہا

نزول کا انتہائی کمال کمال کے آخری نقطہ (نہایۃ النہایۃ) تک پہنچ جانے والوں کو اُلٹے پاؤں لوٹتے وقت سب سے انتہائی نچلے درجے (اسفل غایات) تک اترنا ہوتا ہے اور کمال کے آخری نقطہ (یعنی نہایت النہایت) تک پہنچنا اس وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ اس کا نزول انتہائی نچلے درجے تک واقع ہو۔ اور جب اس خصوصیت کے ساتھ نزول (اترنا) واقع ہوتا ہے تو صاحبِ رجوع (اُترنے والا) اپنی پوری ذات کے ساتھ عالمِ اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ صاحبِ نزول کا کچھ حصہ بارگاہِ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور دوسرا کچھ حصہ مخلوق کی طرف متوجہ رہے۔ کیونکہ ایسا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو کمال کے آخری نقطہ (نہایۃ النہایۃ) تک وصول حاصل ہی نہیں ہوا اور اسی طرح اسے انتہائی نچلے درجے (غایۃ الغایۃ) تک نزول بھی

نصیب نہیں ہو سکا۔ زیادہ کرید یہ ہے کہ نماز ادا کرتے وقت جو کہ مومن کی معراج ہوتی ہے صاحب رجوع کے لطائف کی توجہ بارگاہِ قدس جل سلطانہ کی طرف رہتی ہے۔ نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد وہ پھر اپنی پوری ذات کے ساتھ مخلوق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ البتہ فرائض اور سنتوں کو ادا کرتے وقت چھ کے چھ لطائف بارگاہِ قدس کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اور نوافل کو ادا کرتے وقت ان لطائف میں سے صرف وہی لطیفہ متوجہ رہتا ہے جو ان سب میں لطیف تر ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں جو لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ (خدا کے ساتھ میرا ایک خاص وقت ہوتا ہے) آیا ہے ممکن ہے کہ اسی خاص وقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہو جو نماز کے ساتھ مخصوص ہے اور اس اشارہ کے تعین کا قرینہ وہ دوسری حدیث ہو سکتی ہے جس میں قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) فرمایا گیا ہے۔ اس قرینے کے علاوہ کشفِ صحیح اور الہامِ صریح بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ یہ معرفت اس فقیر کے خصوصی معارف میں سے ہے۔ مشائخ نے اس کمال کو جمع بین التوجہین (دونوں توجہوں کو جمع کرنے) میں سے شمار فرمایا ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔ (یہ معاملہ خداوند تعالیٰ سبحانہ کے حوالے ہے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لے اور مکمل و کامل ترین درودیں اور سلام ہوں آپ پر اور آپ کی آل پر)۔

۹۔ منہا

ص۲۰

مشاہدۂ انفس و آفاق مشائخ نے فرمایا ہے کہ مرتبۂ ولایت پر پہنچ جانے کے بعد اہل اللہ کا مشاہدہ، انفس (اپنی جانوں) میں ہوتا ہے۔ وہ آفاقی مشاہدہ جو سیرِ الی اللہ کے دوران اثنائے راہ میں میسر آتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جو مشاہدہ انفس میں ہوتا ہے وہ بھی اسی مشاہدہ کی طرح جو آفاق میں ہوتا ہے معتبر نہیں ہے کیونکہ وہ مشاہدہ بھی مشاہدۂ حق نہیں ہے اس لئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بیچون و بیچگونہ ہے۔ چون کے آئینہ میں خواہ وہ آفاق کا آئینہ ہو یا انفس کا آئینہ، یہ گنجائش کہاں کہ ذاتِ حق کا احاطہ کر سکے۔ وہ سبحانہ وتعالیٰ نہ دنیا میں داخل ہے نہ دنیا سے خارج ہے۔ نہ وہ دنیا کے ساتھ متصل ہے نہ دنیائے شہود سے جدا ہے۔ حق تعالیٰ کی رویت بھی نہ عالم میں ممکن ہے نہ عالم سے خارج میں ممکن ہے، وہ رویت نہ دنیا کے ساتھ اتصال رکھتی ہے نہ دنیا سے انفصال۔ اسی وجہ سے اس رویت کو بھی جو آخرت میں ہوگی اہلِ علم نے بلاکیفیت کے کہا ہے جو عقل اور وہم کے احاطہ سے بھی خارج ہے۔ کارکنانِ قضا و قدر نے دنیا میں اس راز کو صرف خواص الخواص پر ہی منکشف فرمایا ہے۔ اگرچہ یہ رویت نہیں ہے لیکن رویت کے مماثل ضرور ہے۔ یہ وہ دولتِ عظمیٰ ہے کہ اصحابِ نبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد سے کم ہی کوئی شخص اس دولت سے سعادت اندوز ہوا ہے۔ اگرچہ آج یہ بات مستبعد نظر آتی ہے

اور بہت سے لوگ اُسے قبول نہیں کرتے لیکن (یہ فقیر) اس نعمتِ عظمیٰ کا اظہار کر دیتا ہے خواہ کوتہ اندیش لوگ اسے قبول کریں یا نہ کریں۔ اور یہ نسبت اسی خصوصیت کے ساتھ کل کو (یعنی آئندہ کسی زمانے میں) حضرت مہدی (رضی اللہ عنہ) میں ظاہر ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَتَسْلِيْمَاتُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ (سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام ہوں آپؐ پر، آپؐ کی سب آل پر اور آپؐ کے سب اصحابؓ پر۔)

۱۰۔ منہا

ص ۲۱

سلوک کی ابتدا استخارہ و توبہ سے جب کوئی طالب کسی شیخ کے سامنے حاضر ہو تو شیخ کو چاہیئے کہ سب سے پہلے اس سے استخارہ کرائے۔ تین یا سے سات بار تک استخارہ کی تکرار کرائے۔ استخاروں کے بعد اگر طالب میں کوئی تذبذب پیدا نہ ہو تو اس (کی تربیت) کا کام شروع کر دینا چاہیئے۔ سب سے پہلے اسے توبہ کے طریقے کی تعلیم دے اور دو رکعتیں نمازِ توبہ کی ادا کرنے کیلئے کہے۔ کیونکہ توبہ حاصل کئے بغیر اس راہ میں قدم رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن چاہیئے کہ (فی الحال) اس کو اجمالی طور سے توبہ حاصل ہونے پر اکتفا کرلے۔ تفصیلی توبہ کو (آئندہ) زمانے کے گذرنے پر حوالہ کر دے۔ کیونکہ آجکل کے زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں بہت کوتاہ ہیں۔ اگر شروع ہی سے تفصیلی توبہ کو حاصل کرنے کی تکلیف لوگوں پر ڈالی گئی تو لازماً اس کے

حصول کے لئے بڑا وقت چاہئے۔ اور ممکن ہے کہ اس عرصہ میں خود اس کی طلب ہی
میں کوئی فتور واقع ہو جائے اور اصل مقصد سے باز رہ جائے۔ بلکہ یہ ممکن ہے
کہ وہ توبہ کو بھی سرانجام نہ دے سکے۔ اس کے بعد جو طریقہ طالب کی استعداد
کے مطابق موزوں نظر آئے اس کے مطابق اسے تعلیم دے اور جو ذکر اس کی
قابلیت کے مناسب معلوم ہو اس کی تلقین فرمائے۔ اور اس کے معاملہ میں
پوری توجہ سے کام لیتا رہے اور اس کی حالت پر پوری التفات قائم رکھے
اور اس راہ کے آداب و شرائط اس سے بیان کر دے اور کتاب (قرآن) و
سنت (حدیث نبوی) اور آثار سلف صالحین کی ترغیب دے اور اچھی
طرح اس کے ذہن نشین کرا دے کہ اس پیروی کے بغیر مطلوب تک رسائی
حاصل کرنا قطعاً ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بھی بتا دے کہ وہ تمام کشف اور
وہ تمام احوال جو پیش آئیں اگر وہ بال برابر بھی کتاب و سنت کے خلاف
ہوں تو ان کا اعتبار نہ کرے (یعنی ان پر قطعاً ملتفت نہ ہو) بلکہ ان سے
استغفار اور توبہ کرے۔ اور ساتھ ہی اسے نصیحت فرمائے کہ فرقۂ ناجیہ
اہل السنت والجماعت کی آراء کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرے اور
ضروری فقہی احکام کا علم حاصل کرے اور اس علم کے مطابق عمل کرنے
کی اسے تاکید کرے۔ کیونکہ ان دونوں بازوؤں، یعنی اعتقاد اور عمل کے بغیر
اس راہ میں پرواز کرنا میسر نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی تاکید کر دے کہ (غذا کے
معاملے میں) حرام اور مشتبہ لقمہ سے پوری طرح احتیاط رکھے جو کچھ مل جائے
اور جہاں کہیں سے حاصل ہو جائے کھاتے پیتے نہیں جبتک کہ روشن

شریعت کا فتوے اس سلسلہ میں اسے درست قرار نہ دیدے۔ مختصر یہ ہے کہ تمام معاملات میں آیتِ کریمہ: مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (جو کچھ تمہیں خدا کا رسول حکم دے اسے قبول کرو اور جس بات سے وہ منع کر دے اس سے رک جاؤ۔) کو اپنا نصب العین بنا لے۔ طالبوں کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو وہ اہلِ کشف و معرفت کے زمرے سے ہوتے ہیں یا اربابِ جہل و حیرت کے گروہ سے ہوتے ہیں۔ لیکن (سلوک کی) منزلیں طے کر لینے اور حجابات کے اُٹھ جانے کے بعد دونوں جماعتیں واصل ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک خود وصول کا تعلق ہے، ان میں سے کسی ایک جماعت کو دوسری جماعت پر کوئی برتری نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ دو شخص جو دُور و دراز کی منزلیں طے کرنے کے بعد کعبہ تک پہنچتے ہیں۔ ایک تو راستے کی منزلوں کو دیکھتا بھالتا گیا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق ایک ایک منزل کی تفصیلات کو معلوم کرتا ہوا پہنچا ہے۔ اور دوسرا آدمی راستے کی منزلوں سے آنکھیں بند کر کے گیا ہے، تفصیلات سے اس نے کوئی آگاہی حاصل نہیں کی اور کعبہ شریف تک پہنچ گیا۔ جہاں تک کعبہ معظمہ تک پہنچ جانے کا تعلق ہے اس میں یہ دونوں آدمی برابر ہیں۔ اس پہنچنے میں کسی کو بھی دوسرے پر فضیلت نہیں ہے۔ اگرچہ راستے کی منزلوں کو پہچاننے میں دونوں میں نمایاں فرق ہے لیکن مطلوب تک پہنچ جانے کے بعد دونوں کو جہل لازم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں معرفت حاصل کرنا بھی جہل ہے اور معرفت سے عاجز ہونا ہے۔

منازلِ سلوک | جاننا چاہئے کہ سلوک کی منزلیں قطع کرنے سے مراد دس مقامات کو طے کرنا ہوتا ہے۔ اور ان دس مقامات کو طے کرنا، ان تین تجلیات پر موقوف ہے۔ تجلیٔ افعال، تجلیٔ صفات، تجلیٔ ذات۔ اور مقامِ رضا کے علاوہ یہ سب مقامات، تجلیٔ افعال اور تجلیٔ صفات سے وابستہ ہیں۔ صرف مقامِ رضا، تجلیٔ ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس اور محبتِ ذاتیہ سے وابستہ ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خواہ محبوب کی طرف سے تکلیف پہنچے یا انعام حاصل ہو، محب کے حق میں دونوں صورتیں یکساں ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد لامحالہ رضا حاصل ہو جاتی ہے اور ناپسندیدگی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان تمام مقامات میں کمال کی حد تک پہنچ جانا تجلیٔ ذاتی کے حصول کے وقت ہی ممکن ہے کیونکہ مکمل ترین فنا اسی تجلی کے ساتھ وابستہ ہے۔ لیکن باقی نو مقامات کا صرف حصول تجلی افعال اور تجلیٔ صفات ہی میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب اپنے اوپر اور تمام اشیاء پر حق تعالیٰ سبحانہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے تو بے اختیار توبہ و انابت کی طرف رجوع کرتا ہے اور ڈرتا و خوف کھاتا رہتا ہے اور تقوی (ورع) کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ اور خدائی تقدیرات پر صبر اختیار کرتا ہے اور بے صبری کی ناطاقتی سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ اور چونکہ نعمتوں کا مالک اسی کو سمجھتا ہے اور عطا کرنا اور روک لینا سب کچھ خدا ہی سے سمجھتا ہے۔ لامحالہ مقامِ شکر میں داخل ہو جاتا ہے اور توکل میں راسخ قدم بن جاتا ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کی نرمی اور مہربانی کی تجلی وارد ہوتی ہے تو امید (رجاء) کے

م ۳۰

مقام میں داخل ہو جاتا ہے اور جب خدائے تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ پست و ذلیل دنیا اس کی نگاہ میں خوار و بے اعتبار نظر آتی ہے تو چار و ناچار دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے۔ فقر اختیار کر لیتا اور زہد کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ان مقامات کا تفصیل و ترتیب کے ساتھ حصول سالک مجذوب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور مجذوب سالک ان مقامات کو اجمالی طریقے پر طے کرتا ہے۔ کیونکہ عنایتِ ازلی نے اسے ایسی محبت میں گرفتار کر لیا ہے کہ ان مقامات کی تفصیل کی طرف مشغول ہونا اس کے بس میں نہیں رہتا۔ محبت کے زیرِ سایہ ان مقامات کا لب لباب اور ان منازل کا خلاصہ مکمل ترین طریقہ پر اُسے حاصل ہو جاتا ہے جو کہ صاحبِ تفصیل کو بھی میسر نہیں ہوتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے)

۱۱- منہا

نفیِ کل طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ انفس و آفاق سے تعلق رکھنے والے تمام معبودانِ باطل کی نفی کا اہتمام کرے اور معبودِ برحق کے اثبات کے بارے میں بھی جو کچھ اس کے شعور اور خیال کے حوصلہ میں آسکے اس کی بھی نفی کرے اور صرف حق تعالیٰ کے موجود ہونے پر اکتفا کرے۔ اگرچہ اس مقام پر وجود کو بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (ذاتِ حق کو) وجود کے بھی بالاتلاش کرنا چاہئے۔ علمائے اہلِ سنت نے بہت خوب کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود، اس کی ذات سبحانہ وتعالیٰ پر زائد ہے۔ وجود کو عینِ ذات کہنا

۲۴

اور وجود سے پرے کسی دوسری بات کا اثبات نہ کرنا، محض کوتاہ نظری ہے۔ شیخ علاؤالدولہ[1] نے فرمایا ہے کہ فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِكِ الْوَدُوْدِ۔ (شہنشاہِ ودود (حق جل شانہ) کی دنیا عالمِ وجود سے بھی اوپر ہے) اس فقیر کو جب عالمِ وجود سے اوپر لے جایا گیا تو جب تک میں مغلوب الحال رہا، علمِ تقلیدی کی رو سے اپنے آپ کو اہلِ اسلام ہیں سے شمار کرتا رہا۔ مختصر یہ ہے کہ ممکن کے ذہن و شعور (حوصلہ) میں جو کچھ آسکتا ہے وہ بھی بطریقِ اولیٰ ممکن ہی ہوگا۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَيْهِ سَبِيْلًا اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ (یعنی: پس پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لئے اپنے تک رسائی کا سوائے اس کے کوئی راستہ ہی نہیں رکھا کہ وہ خدا کی معرفت سے اپنے عجز کا اعتراف کر لے)۔

ایک شبہ کا ازالہ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس فنافی اللہ اور بقا باللہ سے (جو سلوک کے دوران پیش آتے ہیں) ممکن بھی واجب بن جاتا ہے کیونکہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس سے تو قلبِ حقائق (حقیقتوں کا الٹ جانا) لازم آتا ہے (جو ممکن نہیں ہے) لہذا جب ممکن واجب نہیں ہو سکتا تو ممکن کے حصہ میں اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ واجب تعالیٰ کے ادراک سے

---

[1] حضرت شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابوالمکارم اور نام احمد بن محمد ہے ولادت ۶۵۹ھ میں ہوئی اور ۲۲ رجب ۷۳۶ھ کو ستتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ ۶۸۶ھ میں بمقام بغداد شیخ نورالدین عبدالرحمٰن کسرتی کے مرید ہوئے۔ دارا شکوہ نے آپ کے ایک رسالہ کا ذکر کیا ہے جس میں شیخ نے اپنے حالاتِ زندگی درج کئے ہیں اور اپنے اجتہاد سے بعض ایسے عقائد بیان کئے ہیں جو ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف ہیں۔

اپنے عجز اور درماندگی کا اعتراف کر لے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ۔ کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ترجمہ: اٹھا لے جال عنقا کب کسی کے ہاتھ آتا ہے ۔ لگا تا ہے یہاں جو جال خالی ہاتھ جاتا ہے

بلند ہمتی کا تقاضا یہی ہے کہ ذاتِ حق سے طالب کے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے اور اس (ذاتِ حق) کا کوئی نام و نشان ظاہر نہ ہو۔ ایک جماعت ایسی بھی ہے جو دوسرا مطلب لیتی ہے یعنی وہ لوگ ذاتِ حق کو اپنا عین پاتے ہیں اور اس کے ساتھ قرب اور معیت پیدا کر لیتے ہیں ع

آں ایشانند و من چنینم یا رب

ترجمہ: وہ کہاں اور میں کہاں یا رب

والسلام

۱۲ - منہا

شش جہات سے خواجہ نقشبندؒ کی مراد

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ مشائخ میں سے ہر ایک کے آئینہ کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ لیکن میرے آئینے کی چھ جہتیں ہیں۔ یقیناً آج تک اس بزرگ خاندان کے کسی ایک خلیفہ نے بھی اس کلمۂ قدسیہ کی کوئی تشریح بیان نہیں فرمائی بلکہ اشارۃً اور کنایۃً میں بھی کسی نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کہی۔ اس حقیر اور کم مایہ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی شرح و بیان میں لب کشائی کرے اور اس کی توضیح میں زبان کھولے۔ لیکن چونکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معمہ کا راز اس حقیر پر کھول دیا ہے اور اس کی حقیقت کو جیسا کہ چاہیئے

۲۵

واضح فرمادیا ہے۔ لہٰذا دل میں آیا کہ اس چھپے ہوئے نایاب موتی کو بیان کی انگلیوں سے تحریر کی لڑی میں پرودوں اور ترجمانی کی زبان سے معرضِ تقریر میں لے آؤں۔ استخارہ کرنے کے بعد اس بارے میں تحریر کیا جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ غلطی سے محفوظ رکھے اور بیان کی توفیق عطا فرمائے۔

جاننا چاہئے کہ آئینہ سے مراد عارف کا قلب ہے جو روح اور نفس کے درمیان ایک برزخ ہے۔ اور ان بزرگوں نے آئینے کی دونوں جہتوں سے اس کی روح والی جہت اور نفس والی جہت مراد لی ہے۔ لہٰذا مشائخ کو جب مقامِ قلب میں رسائی ہوتی ہے تو اس کی دونوں جہتیں ان پر منکشف ہوجاتی ہیں۔ اور ان دونوں مقامات کے وہ علوم و معارف جن کو قلب سے مناسبت ہوتی ہے ان پر فائض ہونے لگتے ہیں۔ برخلاف اس طریقہ کے جس میں حضرت خواجہ (نقشبندؒ) خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔ اور اس مقام میں چونکہ انتہاء ابتدا میں مندرج ہوتی ہے لہٰذا اس طریقہ میں آئینۂ قلب کی چھ جہتیں نمایاں ہوجاتی ہیں اور اس کی تشریح یہ ہے کہ کارکنانِ قضا و قدر نے اکابرینِ طریقۂ عالیہ پر یہ بات منکشف فرمائی ہے کہ چھ لطیفوں (یعنی نفسؔ، قلبؔ، روحؔ، سرؔ، خفیؔ، اور اخفیؔ) میں سے جو کچھ افرادِ انسانی کے مجموعے میں موجود و ثابت ہے، وہ سب تنہا قلب کے اندر بھی متحقق ہے۔ کیونکہ چھ جہتوں سے مراد یہی چھ لطیفے لئے گئے ہیں۔ پس باقی تمام مشائخ کی سیر تو ظاہرِ قلب پر ہوتی ہے اور ان بزرگوں (یعنی نقشبندیہ حضرات) کی

سیرِ باطنِ قلب میں ہوتی ہے۔ اور اس سیر میں یہ حضرات قلب کے ابطنِ بطون (باطنوں کے بھی باطن ترین) مقام تک پہنچ جاتے ہیں اور ان تمام چھ لطائف کے علوم و معارف مقامِ قلب میں منکشف ہونے لگتے ہیں۔ لیکن یہ وہی علوم و معارف ہوتے ہیں جن کو مقامِ قلب سے مناسبت ہوتی ہے۔ یہ ہے توضیح و تشریح حضرت خواجہ (نقشبند) قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے اس کلمۂ قدسیہ کی (جو اوپر بیان ہوا)

اس حقیر پر اس مقام میں ان بزرگوں کی برکت سے مزید بر مزید انکشافات بھی ہوئے ہیں اور تحقیق کے بعد تدقیق کا درجہ بھی حاصل ہے اور بمصداق آیتِ کریمہ: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (یعنی اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کردیا کرو)۔ ان مزید انکشافات میں سے ایک رمز اور ان تدقیقات میں سے ایک اشارہ بیان کرتا ہوں۔ وَمِنْهُ سُبْحَانَهُ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيْقُ (یعنی غلطی سے محفوظ رہنا اور توفیق خدائے تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے)۔

قلب کے پانچ درجات اور محض قلب بسیط

جاننا چاہیے، جیسا کہ قلب ہر چھ لطیفوں کو شامل ہوتا ہے اسی طرح قلب کا قلب بھی ان تمام لطائف پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن قلب کے قلب میں بوجہ تنگی دائرہ یا دوسرے کسی سِرّ کی وجہ سے ان چھ لطائف مذکورہ میں سے دو لطیفے جزئی طریق پر ظاہر نہیں ہوتے۔ ان میں سے ایک لطیفۂ نفس ہے اور دوسرا لطیفۂ اخفیٰ۔

(عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو)۔

"یہی حال اس قلب کا بھی ہوتا ہے جو تیسرے درجہ میں ہوتا ہے مگر یہ کہ اس میں لطیفۂ خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہی صورت اس قلب کی بھی جو چوتھے مرتبے میں ہوتا ہے مگر یہ کہ اس میں لطیفۂ سر بھی ظاہر نہیں ہوتا، باوجودیکہ لطیفۂ قلب اور لطیفۂ روح اس میں ظاہر ہوتا ہے اور پانچویں مرتبہ میں لطیفۂ روح بھی ظاہر نہیں ہوتا چنانچہ صرف قلبِ محض باقی رہ جاتا ہے جو بالکلیہ بسیط ہوتا ہے۔ اس میں قطعاً کسی دوسری چیز کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یہاں بعض معارفِ عالیہ کو معلوم کرلینا ضروری ہے تاکہ ان معارف کے ذریعہ سے نہایت النہایت اور غایۃ الغایت (یعنی آخری انتہائی نقطہ) تک پہنچا جاسکے۔ لہذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے میں کہتا ہوں کہ جو کچھ عالمِ کبیر میں تفصیلاً ظاہر ہوتا ہے وہی سب کچھ عالمِ صغیر میں بھی اجمالاً ظاہر ہوتا ہے۔

م‍۔۱۷

عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے لہذا جب عالمِ صغیر کا زنگ دُور کرکے اس کو منور کردیا جاتا ہے تو اس میں آئینہ کی طرح وہ تمام چیزیں ظاہر ہوجاتی ہیں جو تفصیلاً عالمِ کبیر میں پائی جاتی ہیں کیونکہ زنگ دُور ہوجانے اور منور ہوجانے کی وجہ سے اس کا ظرف وسیع ہوجاتا ہے اور اس کی کوتاہی کا اثر جاتا رہتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال قلب کا بھی ہے جس کی نسبت عالمِ صغیر کے ساتھ ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ عالمِ صغیر کو عالمِ کبیر کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ یعنی

اجمال و تفصیل کی نسبت۔ لہٰذا جب عالمِ اصغر جو عالمِ قلب ہی کا نام ہے صیقل کر دیا جاتا ہے اور اس پر چھائی ہوئی ظلمت اور تاریکی دُور ہو جاتی ہے تو اس میں بھی آئینہ کے انداز پر وہ تمام چیزیں ظاہر ہونے لگتی ہیں جو عالمِ صغیر میں تفصیلاً پائی جاتی ہیں اور یہی صورت قلب کے ساتھ قلبِ قلب کی نسبت کی ہے۔ یعنی ان میں بھی اجمال و تفصیل کی نسبت ہے اور قلبِ قلب میں تفصیلات کا ظہور بوجہ تصفیہ اور نورانیت کے ہوتا ہے حالانکہ وہ مجمل تھا۔

اس قلب کا حال جو تیسرے مرتبہ میں ہوتا ہے اور اس قلب کا جو چوتھے مرتبہ میں ہوتا ہے اجمال اور تفصیل میں اسی قیاس پر ہے (یعنی تیسرے درجے میں تفصیل ہوتی ہے اور چوتھے درجے میں اجمال ہوتا ہے) اور جو تفصیل کہ مراتبِ سابقہ میں تھی، ان دونوں مراتب میں اس کا ظہور بوجہ صیقل ہو جانے اور نورانیت حاصل کر لینے کے ہوتا ہے۔ اور یہی صورت اس قلب کی ہے جو پانچویں مرتبہ میں ہوتا ہے پس بیشک وہ باوجودیکہ بسیط ہوتا ہے اور اس میں کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں ہوا کرتا، لیکن کامل تصفیہ کے بعد اس میں وہ تمام چیزیں ظاہر ہونے لگتی ہیں جو تمام جہانوں یعنی عالمِ کبیر، عالمِ صغیر، عالمِ اصغر اور اس کے بعد کے عالموں میں پائی جاتی ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔ لہٰذا قلب (پانچویں درجہ میں) تنگ ہونے کے ساتھ ہی وسیع تر بھی ہوتا ہے اور بسیط ہونے کے

باوجود بہت زیادہ پھیلاؤ رکھتا ہے اور قلیل تر ہونے کے ساتھ ہی کثیر تر بھی ہوتا ہے۔ دنیا کی اور کوئی چیز بھی اس انداز پر پیدا نہیں کی گئی اور اس عجیب و غریب لطیفہ کے مقابلے میں کوئی چیز اپنے خالق اور صانع تعالیٰ و تقدس کے ساتھ اتنی شدید تر مناسبت رکھنے والی نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ لامحالہ اس لطیفے میں اپنے صانع سبحانہ و تعالیٰ کی وہ وہ عجیب و غریب نشانیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں جو دوسری کسی مخلوق میں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ اسی لئے ایک حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ (یعنی نہ میری زمین مجھ کو سما سکتی ہے اور نہ میرا آسمان سما سکتا ہے لیکن میرے مومن بندہ کا دل مجھ کو سما سکتا ہے۔) اور عالمِ کبیر اگرچہ ظہور کے اعتبار سے آئینوں میں سب سے زیادہ وسیع ہے لیکن اپنی کثرت اور تفصیل کی وجہ سے اسے اُس ذات (یعنی باری تعالیٰ) کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے جس میں قطعاً نہ کثرت پائی جاتی ہے اور نہ بالکل تفصیل۔ اس ذات کی مناسبت کے لائق جیسا کہ ظاہر ہے وہی چیز ہو سکتی ہے جو تنگ ہونے کے باوجود وسیع تر ہو، بسیط ہونے ہوئے پورا پھیلاؤ رکھتی ہو۔ قلیل تر ہو اور ساتھ ہی کثیر تر بھی ہو۔ جب کوئی ایسا عارف جس کی معرفت مکمل تر اور جس کا حضور (شہود) کامل تر ہو، اس مقام تک پہنچتا ہے جس کا وجود نادر ہے اور مرتبہ کے لحاظ سے شریف تر ہے۔

۲۸

تو ایسا عارف تمام جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے۔ یہی شخص ولایتِ محمدیہ کا صحیح حقدار اور دعواتِ مصطفویہ کے ساتھ شرف اندوز ہوتا ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ چنانچہ اقطاب، اوتاد اور ابدال سب اس کے دائرۂ ولایت کے تحت میں داخل ہوتے ہیں اور افراد اور احاد اور اولیاء کے تمام گروہ اسی کے انوارِ ہدایت کے ماتحت مندرج ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے اور خدا کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت کے ساتھ ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ یہ نسبتِ شریفہ جو بہت ہی کم پائی جاتی ہے مرادین میں سے کسی کسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کمال میں مریدین کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ یہ وہ عظیم الشان انتہا اور بعید ترین غایت ہے کہ اس کے اوپر اور کوئی کمال کا درجہ ہی نہیں ہے اور اس سے زیادہ عزت والا اور کوئی عطیۂ الٰہی نہیں ہے۔ اگر اس انداز کا کوئی عارفِ کامل ہزاروں سال کے بعد بھی پایا جائے تو اسے غنیمت سمجھا جائے گا اس کی برکات طویل مدتوں اور بعید ترین عرصوں تک جاری رہتی ہیں۔ یہی وہ عارفِ کامل ہے جس کی گفتگو دوا ہے اور جس کی نظر شفا ہے۔ حضرت امام مہدی (رضی اللہ عنہ) اس بہترین امت کی اسی نسبتِ شریفہ کے ساتھ عنقریب تشریف لائیں گے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

(یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔)

۲۹

اس نعمتِ عظمیٰ کا حصول | اس نعمتِ عظمیٰ کا حصول سلوک اور جذب کے دونوں طریقوں کے تفصیلی اتمام اور فنائے اکمل اور بقائے اتم کے مقامات کی درجہ بدرجہ تکمیل پر منحصر ہے۔ اور یہ چیز سید المرسلین حبیبِ رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی کمال پیروی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اس خدائے بزرگ کا بیحد شکر ہے جس نے ہمیں ان کے تبعین میں سے بنایا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے یہی درخواست ہے کہ وہ ہمیں آپ کی مکمل پیروی اور اس پہ ثابت قدمی عطا فرمائے اور آپ کی شریعت پر استقامت نصیب فرمائے۔ خدائے تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جو میری اس دعا پر آمین کہے۔

یہ معارف ان دقیق اسرار اور مخفی رموز میں سے ہیں جن کے متعلق اکابر اولیاء میں سے کسی نے بھی لب کشائی نہیں فرمائی اور بزرگ ترین برگزیدہ حضرات میں سے کسی نے ان کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے اس بندہ کو اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل سے ان اسرار اور ان کے اظہار کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ کسی شاعر نے فارسی شعر میں کیا خوب کہا ہے ؎

اگر پادشہ بر درِ پیر زن | بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ترجمہ

اگر بڑھیا کے در پہ آئے سلطاں | تو اے خواجہ نہ ہو ہرگز پریشاں

حق تعالیٰ شانہ کی قبولیت کسی علت کے ساتھ وابستہ اور کسی سبب و وجہ کی پابند نہیں ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ

وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ. وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ (یعنی خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا حکم فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مختص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے") حق سبحانہ و تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا اور مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور سلامتیاں اور برکتیں نازل ہوں آپ پر اور تمام انبیا اور مرسلین پر اور ملائکہ مقربین پر اور خدا کے نیک بندوں پر اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لے۔

ص ۳۰

۱۳- منہا

روح کا مقام روح، عالم بے چون (دنیائے بے کیف) سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا لامکان ہونا اس کے لئے ثابت ہے، اگرچہ روح کی بیچونی (بے کیفی) مرتبۂ وجوب تعالَتْ و تقدّستْ (یعنی ذاتِ حق) کی نسبت سے عین چون (عین کیف) ہے اور اس کی لامکانیت، لامکانِ حقیقی جلّ سلطانہٗ (حق تعالیٰ) کی نسبت سے عین مکانیت ہے۔ یوں کہئے کہ عالمِ ارواح اس دنیا اور مرتبۂ بے چونی کے درمیان ایک برزخ ہے۔ اور اس طرح عالمِ ارواح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں۔ لامحالہ عالمِ چون (عالمِ کیف) اسے بے چون (عالم بے کیف) سمجھتا ہے۔ اور مرتبۂ بے چونی (بے کیفی) کی طرف سے نظر کی جائے تو وہ عینِ چون

(عینِ کیف) نظر آتا ہے۔ اور یہ برزخیت کی نسبت اسے اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے۔

روح کا نزول لیکن اس کا تعلق اس بدنِ عنصری کے ساتھ ہو جانے اور اس تاریک ڈھانچہ میں گرفتار ہو جانے کے بعد وہ اس برزخیت سے نکل آئی ہے۔ اور پورے طور پر اس عالمِ چون (یعنی دنیائے کیف) میں اتر آئی ہے اور بے چونی (بے کیفی) کا رنگ اس سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔ اس کی حالت، ہاروت و ماروت کی حالت کی طرح ہے کہ بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ارواحِ ملائکہ، بشریت کی پستی میں نیچے اتر آئی ہیں جیسا کہ مفسرین و مؤرخین نے فرمایا ہے۔

روح کا عروج .... پس اگر عنایتِ خداوندی جل شانہ دستگیری فرمائے اور اس سفر سے ایک قسم کی واپسی حاصل ہو جائے اور اس تنزل سے پھر عروج نصیب ہو جائے تو نفسِ ظلمانی اور بدنِ عنصری کو بھی اس کی پیروی میں ایک طرح کا عروج نصیب ہو جائے گا اور وہ منازل طے کر لیں گے۔ اسی سلسلہ میں روح کے اس تعلق اور اس کے اس تنزل سے جو کچھ مقصود ہے وہ بھی ظہور میں آ جائے گا اور نفسِ امارہ کو اطمینان نصیب ہو جائے گا (یعنی مطمئنہ ہو جائے گا) اور جو چیز ظلمانی (تاریک) تھی وہ بدل کر نورانی ہو جائے گی۔ جب روح اس سفر کو مکمل کر لے گی اور جو کچھ اس کے نزول سے مقصود تھا اس کو اپنے انجام تک پہنچا لیگی تو اپنی اصلی برزخیت تک پہنچ جائے گی اور اس طرح اپنی بدایت (نقطۂ آغاز)

کی طرف لوٹتے ہوئے نہایت (نقطۂ انجام) کو حاصل کریگی۔ چونکہ قلب بھی عالمِ ارواح ہی سے ہے۔ لہٰذا وہ بھی برزخیت ہی میں قیام پذیر ہوگا اور نفسِ مطمئنہ، جس پر عالمِ امر کا بھی ایک رنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے کہ وہ قلب اور بدن کے درمیان ایک برزخ ہے وہ بھی اسی جگہ قیام پذیر ہوگا۔ لیکن بدنِ عنصری جو چار عناصر سے مرکب ہے وہ لا محالہ عالمِ کون و مکان میں ہی قرار پائے گا۔ اور اطاعت و عبادت میں مشغول ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر کوئی سرکشی اور مخالفت واقع ہوگی تو وہ سب عناصر کی طبیعتوں ہی کی طرف منسوب ہوگی۔ مثلاً ناری (آتشی) جزو جو اپنی ذات کے اعتبار سے سرکش اور مخالفت چاہنے والا ہے، ابلیسِ لعین کے انداز پر اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں اس سے بہتر ہوں) کی صدا لگائے گا۔ اور نفسِ مطمئنہ سرکشی سے باز رہتا ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ جل شانہ سے راضی ہو چکا ہے اور حق سبحانہ اس سے راضی ہو چکے ہیں۔ اور راضی ہونے والے اور راضی شدہ سے سرکشی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر سرکشی ہو سکتی ہے تو قالب (جسمِ عنصری) ہی سے ہو سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا نے اسی ابلیسی سرکشی کی وجہ سے جس کا منشا ہی جزو قالبی ہے جہادِ اکبر سے تعبیر فرمایا ہو۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ (میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے) اس سے مراد یا تو آفاقی (خارجی) شیطان ہے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرین ہے۔ لیکن یہاں (یعنی جہادِ اکبر والی حدیث میں) شیطان سے مراد

شیطانِ انفسی ہے۔ اگرچہ اس شیطان کا زور بھی توڑا ہوا ہے اور وہ بھی سرکشی سے باز آچکا ہے لیکن جو بات کسی چیز کی ذات میں داخل ہو وہ اس کی ذات سے زائل نہیں ہوا کرتی۔ ع

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است

(ترجمہ) سیاہی رنگِ حبشی سے بھلا کب دُور ہوتی ہے

یا ہوسکتا ہے کہ (اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ والی حدیث میں بھی) شیطان سے مراد انفسی شیطان ہی ہو، لیکن اس کے مسلمان ہوجانے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اس میں سرکشی کا مادّہ بالکل ہی باقی نہیں رہا۔ باوجود مسلمان ہوجانے کے اگر وہ عزیمت کو چھوڑ کر رخصت پر عمل کرلے تو قطعاً ممکن ہے۔ اور اگر اس سے کوئی صغیرہ گناہ سرزد ہوجائے جس میں کوئی نیکی نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ بلکہ نیک لوگوں (ابرار) کی نیکی جو مقربانِ بارگاہ کیلئے بدی (سیئہ) بن جاتی ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ یہ تمام سرکشی ہی کی قسمیں ہیں۔ اور اُس میں سرکشی کا باقی رہنا بھی اس کی اصلاح اور ترقی ہی کے لئے ہے کیونکہ ان امور کے حاصل ہونے کے بعد جن میں انتہائی نقص ترکِ اولیٰ کا پیش آجاتا ہے، اس شخص کو اس قدر ندامت، پشیمانی اور توبہ استغفار نصیب ہوجاتا ہے جو بے انتہا ترقیات کا باعث بن جاتا ہے۔ م ۳۲

اور جب بدنِ عنصری اپنے مقام پر قرار پالیتا ہے تو لطائفِ ستہ (چھ لطیفوں) کے جدا ہونے اور ان کے عالمِ امر میں عروج پا جانے کے بعد بالضرور اِس دنیا میں ان کا خلیفہ (جانشین) یہی بدن رہ جائے گا۔ اور ان سب کے

کام اسی کو کرنے پڑیں گے۔ اس کے بعد اگر الہام ہوتا ہے تو اسی مضغۂ گوشت پر ہوتا ہے جو حقیقتِ جامعۂ قلبیہ کا خلیفہ ہے۔ اور وہ جو حدیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہوا ہے کہ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ[1] (یعنی جو شخص چالیس روز خالص اللہ کے لئے کر دیتا ہے (یعنی سوائے یادِ الٰہی و عبادتِ الٰہی کے اور کسی کام میں مشغول نہیں ہوتا) تو حکمت و دانائی کے چشمے اس کے قلب سے نکل کر اس کی زبان پر ظاہر ہونے لگتے ہیں) تو حدیث میں اس قلب سے مراد یہی گوشت کا لوتھڑا (مضغہ) ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

اور دوسری احادیث میں تو یہ مراد متعین ہی ہے۔ مثلاً آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ (بے شک میرے دل پر ہلکا سا غبار طاری کر دیا جاتا ہے) تو یہ غبار کا پیش آنا اسی مضغۂ گوشت پر ہوتا ہے، قلب کی حقیقتِ جامعہ پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تو کلیتہً غبار سے آزاد ہو چکی ہوتی ہے۔ اور دوسری حدیث میں قلب کے پلٹنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ (ایک طویل عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو)

جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (یعنی مومن کا قلب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے۔) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

---

[1] اسی حدیث سے بزرگوں نے چلہ کشی کو ثابت کیا ہے۔ نیز قرآن کریم کی سورۂ بقرہ آیت ۵۱ اور سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۲ میں اَرْبَعِیْنَ لَيْلَةً سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ كَرِيْشَةٍ فِيْ اَرْضٍ فَلَاةٍ (یعنی مومن کا قلب پرندہ کے اس پر کی طرح ہے جو کسی جنگل بیابان میں پڑا ہو۔) اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ (یعنی اے اللہ! اے دلوں کو پلٹنے والے (اللہ) میرے قلب کو اپنی فرمانبرداری پر قائم رکھ) تو یہ قلب کا پلٹنا اور قائم نہ رہنا اسی مضغۂ گوشت کے لئے ثابت ہے کیونکہ (قلب کی) حقیقت جامعہ کے لئے تو الٹنے پلٹنے کا ہرگز تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ تو مطمئنہ ہے اور اطمینان میں راسخ ہوچکی ہے۔ اور حضرت خلیل علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قلب کے لئے اطمینان کی درخواست کی تو اُن کی مراد بھی یہی مضغۂ گوشت تھا، نہ کہ کوئی اور چیز۔ کیونکہ ان کا قلبِ حقیقی تو بلاشبہ مطمئن تھا بلکہ ان کا نفس بھی ان کے قلبِ حقیقی کی سیاست کی وجہ سے قطعاً مطمئن تھا۔

صاحبِ عوارف کے ارشاد پر بحث

صاحب العوارف[1] قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ الہام اس نفسِ مطمئنہ کی صفت ہے جس نے قلب کے مقام

---

[1] سہروردی سلسلہ کے سرخیل شیخ عمر شہاب الدین سہروردیؒ اپنے چچا ابونجیب سہروردیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے ۵۳۹ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں ۶۳۲ھ میں وصال ہوا۔ برصغیر میں آپ کے خلیفہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف "عوارف المعارف" تصوف کی امہات الکتب میں شمار کی جاتی ہے اور ہر زمانے میں صوفیہ میں مقبول رہی ہے۔

میں عروج کیا ہو۔ اور یہ کہ اس وقت تمام رنگ آمیزیاں (تلوینات)
اور تمام تبدیلیاں (تقلّبات) نفسِ مطمئنہ ہی کی صفات ہوتی ہیں۔"

صاحب العوارف کا یہ ارشاد جیسا کہ تم خود دیکھ رہے ہو احادیث
مذکورہ کے خلاف ہے۔ اور اگر حضرتِ شیخ (صاحب العوارف) کو
اس مقام سے جس کی وہ بات کر رہے ہیں عروج میسر ہوتا تو وہ ضرور
حقیقتِ حال کو دریافت فرما لیتے اور جو کچھ میں نے بتایا ہے
اس کی صداقت ان پر ظاہر ہو جاتی۔ اور اس صورت میں کشف و
الہام احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہو جاتے۔

اور تمہیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ میں نے بتایا ہے کہ یہی
مضغۂ گوشت (قلب کی حقیقتِ جامعہ کا) خلیفہ ہو جاتا ہے
اور اس پر الہام وارد ہوتے ہیں اور یہی صاحبِ احوال اور صاحبِ
تلوینات ہو جاتا ہے، یہ تمام باتیں متعصب، جاہل اور حقیقتِ
امر سے کوتاہ لوگوں پر بڑی ہی شاق اور بہت ہی گراں گذری
ہیں۔ معلوم نہیں، وہ اُن احادیثِ نبویہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام
کے بارے میں کیا کہیں گے جن میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ اِنَّ فِی جَسَدِ
بَنِی اٰدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا
فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ (اولادِ آدم کے جسم میں ایک مضغہ
(گوشت کا لوتھڑا) ہے۔ جب یہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست
ہو جاتا ہے اور جب یہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے)

خوب سمجھ لو کہ یہ مضغہ (گوشت) قلب ہے۔"

۳۲

اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سبیلِ مبالغہ اس مضغہ گوشت ہی کو قلب قرار دیا ہے اور جسم کی درستگی اور خرابی کو اس کی درستگی اور خرابی پر منحصر فرمایا ہے۔ لہذا جو کچھ قلبِ حقیقی کے لئے درست ہے وہی کچھ اس مضغہ (گوشت) کے لئے بھی درست ہوگا۔ اگرچہ یہ نیابت اور خلافت کے طور پر ہی ہو۔ اور اچھی طرح سمجھ لو کہ جب روح اپنے جسم سے اس موت کے ذریعے، جو (متعارف) موت سے پہلے ہی واقع ہوتی ہے، جدا ہو جاتی ہے تو عارفِ واصل اپنی روح کو اس طرح محسوس کرتا ہے کہ وہ نہ جسم میں داخل ہے نہ اس سے خارج ہے، نہ اس کے ساتھ پیوستہ ہے اور نہ اُس سے جدا ہے۔ اور وہ محسوس کرتا ہے کہ روح کا اپنے جسم کے ساتھ ایک تعلق ضرور قائم رہتا ہے جس کی غرض جسم کی درستگی ہوتی ہے بلکہ ایک دوسری غرض بھی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ روح کی طرف اس کا کمال بھی واپس آجائے۔ اور یہی تعلق جسم میں درستگی اور خوبی پیدا کرتا ہے۔ اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو جسم اپنے تمام لوازمات کے ساتھ تمام ہی شر اور نقص بن جاتا۔ بعینہٖ یہی کچھ صورت روح وغیرہ کے ساتھ واجب تعالیٰ کی ہے۔ چنانچہ ذاتِ واجب تعالیٰ نہ عالم میں داخل ہے نہ اس سے خارج، نہ اس کے ساتھ پیوستہ ہے

نہ اس سے جدا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ سبحانہ کا عالم کے ساتھ ایک تعلق ضرور ہے اور یہ تعلق عالم کو پیدا کرنے کا، اس کو باقی رکھنے کا کمالات کے فیضان کا اور نعمتوں اور بھلائیوں کے لئے مستعد بنانے کا تعلق ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب اگر تم کہو کہ علمائے اہلِ حق نے روح کے سلسلے میں اس انداز کی کوئی گفتگو نہیں فرمائی بلکہ قریب قریب انھوں نے اس انداز کی بحث کو جائز بھی نہیں رکھا۔ اور تم ہر قلیل وکثیر میں اُن کی موافقت ضروری جانتے ہو۔ تو پھر اس کی وجہ کیا ہے (کہ تم روح کے سلسلے میں اس انداز کی گفتگو کر رہے ہو؟)

۳۵

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ان میں سے اول تو بہت کم لوگ ہیں جنھیں روح کی حقیقت کا علم حاصل ہو سکا ہے۔ پھر انھوں نے اپنے کم ہونے کے باوجود روحانی کمالات کے اظہار کے متعلق کوئی تفصیلی گفتگو نہیں فرمائی اور محض اجمالی اشارات پر اکتفا فرمایا ہے کیونکہ وہ عوام کی کج فہمی اور ان کے گمراہی میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے اس بات سے بچتے رہے۔ کیونکہ روحانی کمالات (ایک حد تک) صورۃً کمالاتِ وجوبیت (واجب الوجود ہونا) سے مشابہ واقع ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان بہت ہی باریک فرق ہے جس پر سوائے راسخ القدم علماء کے سب لوگ مطلع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا انھوں نے اجمال ہی میں

مصلحت سمجھی بلکہ اس کو بیان کرنے اور اس کی حقیقت کو واضح کرنے کا

انکار کر دینا ہی بہتر سمجھا۔ لہذا وہ حضرات ان کمالات کے منکر نہیں

ہیں جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ اور اس ضعیف بندہ (یعنی میں) نے

اس کی وضاحت کے ساتھ تشریح اور اس کے بعض خواص کی توضیح

اپنے علمِ صحیح اور کشفِ صریح پر اعتماد ہونے کی وجہ سے، محض

حق سبحانہ وتعالیٰ کی مدد اور توفیق سے اور اس کے حبیب

علیہ الصلوٰۃ والسلام وآلہ الکرام کے صدقے سے کر دی ہے اور

ساتھ ہی اس شبہ کا بھی ازالہ کر دیا ہے جو اس کی وضاحت سے

مانع تھا۔ لہذا اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔

یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جس طرح جسم، روح سے بیشمار

کمالات حاصل کرتا ہے، اسی طرح روح بھی جسم کے ذریعے سے

عظیم الشان فوائد کا اکتساب کرتی ہے۔ (یہ جسم ہی تو ہوتا ہے

جس کے ذریعہ سے روح) سننے والی، دیکھنے والی، گفتگو کرنے والی

اور ایک جسم کے اندر مجسم بن جاتی ہے کہ اس کے بعد وہ ان افعال

واعمال کا اکتساب بذاتِ خود کرتی ہے جو عالمِ اجسام ہی سے

مناسبت رکھتے ہیں۔ (یعنی جسم کو حاصل کئے بغیر تنہا روح کیلئے

یہ تمام باتیں ممکن نہیں)۔

عقلِ معاد اور جب نفسِ مطمئنہ روحانیوں (یعنی عالمِ ارواح) کے ساتھ

ملحق ہو جاتا ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے تو عالمِ اجساد میں عقل اُسکی جگہ پر

اس کی خلیفہ اور نائب بن کر بیٹھتی ہے اور اس کا نام عقل معاد ہو جاتا ہے۔ اب اس کا فکر و اندیشہ، تمام کا تمام آخرت ہی کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے اور وہ زندگی گذارنے کی فکروں سے فارغ ہو جاتی ہے۔ اور جو نور اُسے قدرت کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس کی بدولت وہ فراست کے قابل ہو جاتی ہے۔ یہ مرتبہ کمالاتِ عقل کے انتہائی مرتبوں میں سے ہے۔

۳۶ ایک اعتراض اور اس کا جواب

کوئی کوتاہ اندیش اس مقام پر یہ اعتراض نہ کرے کہ عقل کے مراتبِ کمالات کی انتہا، تو یہ ہونی چاہیئے کہ وہ معاش اور معاد دونوں کو بھول جانے میں پختگی حاصل کرلے۔ کیونکہ ابتدا میں بھی اس کی فکر کا مرکز، خواہ دنیا ہو یا آخرت، ہر جگہ سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا (تو انتہا میں تو اور بھی یہ صورت ہونی چاہیے)۔

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ یہ نسیان اثنائے راہ میں فنا فی اللہ کے مقام میں اسے حاصل ہوا تھا۔ لیکن یہ کمال (جس کی گفتگو یہاں ہو رہی ہے) اُس مقام سے بہت منزلیں آگے کی ہے۔ یہاں تو حصولِ جہل کے بعد علم کا واپس آنا ہے اور جمع کے ثبوت کے بعد فرق و امتیاز کا دوبارہ لوٹنا ہے۔ اور کفرِ طریقت کے بعد جو مرتبہ جمع میں حاصل ہوتا ہے اسلامِ حقیقی کا حاصل ہونا ہے۔ فلاسفہ نے جو بہت ہی بے وقوف واقع ہوئے ہیں، عقل کے اندر جو چار مرتبے ثابت کئے ہیں اور کمالاتِ عقل کو انہی چار مرتبوں میں منحصر سمجھا ہے تو یہ ان کی انتہائی حماقت ہے۔ عقل کی

حقیقت کو ان کمالات کے باوجود جو اس کے تابع ہیں عقل اور وہم کے ساتھ نہیں سمجھا جا سکتا۔ (ان حقائق کو سمجھنے کے لئے) ایسے کشفِ صحیح اور الہامِ صریح کی ضرورت ہے جو انوارِ نبوت کے فانوس سے مقتبس ہوں۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُہٗ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ عُمُوْمًا وَاَفْضَلِھِمْ حَبِیْبِ اللّٰہِ خُصُوْصًا۔ (اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی سلامتیاں تمام انبیاء اور مرسلین پر عموماً نازل ہوں اور ان میں سب سے افضل اللہ تعالیٰ کے حبیب پر خصوصیت کے ساتھ)

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر لوگ دریافت کریں کہ مشائخ کی عبارتوں میں جو واقع ہوا ہے کہ عقل، روح کی ترجمان ہے تو اس کے معنی کیا ہوں گے؟ (اس کے جواب میں) میں کہتا ہوں کہ جو علوم و معارف روحانی تلقّی (لینے اور اخذ کرنے) کے ذریعے سے مبدأ فیاض سے جاری ہوتے ہیں اُنھیں قلب، جس کا تعلق عالم ارواح سے ہے اخذ کر لیتا ہے۔ اس قلب کی ترجمان عقل ہے جو انھیں ضبطِ تحریر میں لا کر ان کا خلاصہ تیار کر کے ان لوگوں کے لئے قابلِ فہم بناتی ہے جو عالمِ خلق کے گرفتار ہیں۔ کیونکہ اگر عقل ترجمانی نہ کرے تو ان کو سمجھنا ہی دشوار بلکہ ناممکن ہو جائے اور چونکہ مضغۂ قلبیہ، حقیقتِ جامعۂ قلبیہ کا خلیفہ ہے اس لئے اس نے بھی اصل کی حیثیت حاصل کر لی ہے اور اس کی تلقّی (اخذ کرنے اور حاصل کرنے کی صلاحیت) بھی روحانی تلقّی بن گئی ہے اور ترجمان کی محتاج ہو گئی ہے۔ جاننا چاہئے کہ عقلِ معاد پر ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے جو نفسِ مطمئنہ کی ہمسائیگی کے شوق کا باعث بن جاتا ہے اور یہ

۳۷

شوق اس حد تک بڑھتا ہے کہ عقلِ معاد کو نفسِ مطمئنہّ کے مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ اس حالت میں عقلِ معاد، قالب کو تہی اور خالی چھوڑ جاتی ہے اور اس وقت تعقّل (سمجھنے) اور تذکر (یاد رکھنے) کی صلاحیت بھی (عقلِ معاد کی بجائے) اسی قلبی لوتھڑے میں قرار پا جاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ۔ {اس حقیقت میں ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو قلب رکھتے ہوں} اور اس وقت وہی قلب خود اپنا ترجمان بن جاتا ہے۔ اس وقت عارف کا معاملہ قالب کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اُس کا آتشی (ناری) جزو جس کی طبیعت اور ذات سے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں اس سے بہتر ہوں) کی صدائیں ظاہر ہوا کرتی تھیں مطیع و فرماں بردار بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ اسلامِ حقیقی کے شرف سے مشرف ہوتا جاتا ہے۔ لہذا کارکنانِ قضاد قدر ابلیسی خلعت کو اس سے دور کر کے اُسے نفسِ مطمئنہّ کے اصلی مقام پر پہنچا دیتے ہیں اور اس کا قائم مقام بنا دیتے ہیں پس قالب (جسم) میں قلبِ حقیقی کا خلیفہ مضغۂ قلب ہوا اور نفسِ مطمئنہ کا قائم مقام آتشی (ناری) جزو بنا۔ ع

زرشد مسِ وجودِ من از کیمیائے عشق

(ترجمہ)

کیمیائے عشق سے زر بن گئی خاکِ وجود

اور (جسمِ انسانی کا دوسرا جزو، یعنی) جزوِ ہوائی، روح کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ لہذا سالک جس وقت ہوا کے مقام پر پہنچا اور اس تک عروج حاصل کرتا ہے تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان

سمجھ لیتا ہے اور اس میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ روح کے مقام میں بھی اسی قسم کا (مغالطہ آمیز) مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور سالک اسی میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ میں تیس سال تک روح ہی کو خدا سمجھ کر پرستش کرتا رہا۔ اور جب کارکنانِ قضا و قدر نے مجھے اس مقام سے گذار دیا تو حق باطل سے جدا ہو گیا۔ اور یہ جزوِ ہوائی، مقامِ روحی کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے اس قالب میں روح کا قائم مقام بن جاتا ہے اور بعض معاملات میں وہ روح کے حکم میں ۳۸ یعنی اس کی مانند ہو جاتا ہے۔ اور (جسمِ انسانی کا تیسرا جزو، یعنی) جزوِ آبی حقیقتِ جامعۂ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے اور اسی لئے اس کا فیض تمام چیزوں میں پہنچتا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (اور ہم نے ہر چیز کو پانی سے حیات بخشی) اس کی جائے بازگشت بھی یہی قلب ہے جو گوشت کا لوتھڑا ہے۔ اور (جسمِ انسانی کا چوتھا جزو، یعنی) جزوِ ارضی (مٹی) جو اس قالب (جسم) کا جزوِ اعظم ہے، اپنی کمینگی اور خست کی تلویث (آلودگی) سے جو کہ اس کی ذاتی صفات ہیں پاکی حاصل کر لینے کے بعد، وہی اس قالب میں حاکم اور غالب ہو جاتا ہے۔ اور قالب میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اسی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی یہ حیثیت اس کی مکمل جامعیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ قالب کے تمام اجزاء درحقیقت اسی کے اجزاء ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ کرۂ زمین ہی عناصر اور افلاک کا مرکز قرار پا گیا ہے اور زمین کا مرکز ہی پوری دنیا کا

مرکز ہے۔ اس وقت قالب کا معاملہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے اور انتہائی عروج اور نزول ثابت ہو جاتا ہے اور تکمیل کا کمال اس وقت حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ ہے وہ انتہا (نہایت) جو ابتداء (بدایت) کی طرف رجوع رکھتی ہے۔

فرقِ بعد الجمع جاننا چاہئے کہ روح اپنے مرتبوں اور اپنی تابع چیزوں کے ساتھ اگرچہ عروج کے طریقے پر اپنے مقام تک پہنچ چکی ہوتی ہے لیکن چونکہ ابھی اسے قالب کی تربیت درپیش ہے لہذا اس دنیا کی طرف اسے متوجہ رہنا پڑتا ہے۔ اور جب قالب کا معاملہ اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے تو روح (دیگر لطائف) سر، خفی، اخفیٰ، یعنی قلب، نفس اور عقل کے ساتھ بارگاہِ قدسِ خداوندی جل سلطانہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اس قالب سے پوری طرح روگردانی اختیار کر لیتی ہے اور قالب بھی پورے طور پر (یعنی اپنے تمام اجزاء کے ساتھ) مقامِ عبودیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد روح اپنے تمام مراتب کے ساتھ مقامِ شہود و حضور میں قرار پا لیتی ہے۔ اور ماسوا کی دید و دانش سے مکمل طور پر روگرداں ہو جاتی ہے، اور قالب پورے طور پر مقامِ اطاعت اور بندگی میں راسخ ہو جاتا ہے۔ یہ ہے فرق بعد الجمع کا مقام (یعنی جمع ہونے کے بعد جدا ہو جانے کا مقام)۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ لِلْکَمَالَاتِ (اور اللہ سبحانہٗ ہی کمالات کی توفیق عطا فرمانے والا ہے)۔ اور اس فقیر کو اس مقام میں خصوصی رسائی حاصل ہے۔ یہ مقام، روح کے اپنے تمام مراتب کے ساتھ عالمِ خلق

۳۹

کی طرف لوٹ آنے کا مقام ہے تاکہ لوگوں کو حق جلَّ وَعلاَ کی طرف دعوت دے، اور روح اس وقت میں قالب کے حکم میں (یعنی اس کی مانند) ہو جاتی ہے اور اسی کی تابع ہو جاتی ہے اور معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر قالب حاضر ہے تو روح بھی حاضر ہے اور اگر قالب غافل ہے تو روح بھی غافل ہے۔ البتہ نماز ادا کرنے کے وقت روح اپنے تمام مراتب کے ساتھ بارگاہِ قدس جل شانہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اگرچہ قالب غافل ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ نماز تو مومن کی معراج ہوتی ہے۔

دعوت کا کامل ترین مقام | جاننا چاہئے کہ واصل شخص کا یہ رجوع جو پورے طور پر واقع ہوتا ہے، دعوت کے کامل ترین مقامات میں سے ہے۔ یہ غفلت ایک کثیر جماعت کے حضور کا سبب بنتی ہے۔ غافل لوگ اس غفلت (کی حقیقت) سے غافل ہیں اور جو صاحبِ حضور ہیں وہ اس رجوع سے لاعلم ہیں۔ یہ مقام درحقیقت قابلِ مدح ہے، لیکن بظاہر مذمت کے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر کوتاہ اندیش کی فہم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتی۔ اگر میں اس غفلت کے کمالات بیان کروں تو کوئی آدمی بھی قطعاً حضور کی خواہش اور آرزو نہ کرے۔ یہ وہی غفلت تو ہے جو نوعِ انسانی کے خواص کو نوعِ ملائکہ کے خواص پر فضیلت بخشتی ہے۔ یہ وہی غفلت تو ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رحمتِ عالمیان کے درجے پر فائز کر دیتی ہے۔ یہ غفلت وہی تو ہے جو ولایت کے درجہ سے نبوت کے درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ اور یہ غفلت وہی تو ہے جو نبوت سے

رسالت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ غفلت ہی تو ہے جو معاشرے میں رہنے والے اولیاء اللہ کو گوشہ نشین اولیاء اللہ پر فضیلت بخشتی ہے۔ یہ وہی غفلت تو ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سبقت عطا کرتی ہے، حالانکہ وہ دونوں ایک ہی گھوڑے کے دونوں کانوں کی طرح (یعنی بظاہر مساوی مرتبہ پر فائز) تھے۔ یہ وہی غفلت تو ہے جو ہوشمندی (صحو[1]) کو مستی (سکر) پر ترجیح دیتی ہے۔ یہ وہی غفلت تو ہے جو نبوت کو ولایت سے افضل قرار دیتی ہے، کوتاہ اندیشوں کے خیال کے برخلاف۔ یہ وہی غفلت ہے جس کی وجہ سے قطبِ ارشاد، قطبِ ابدال پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ وہی غفلت تو ہے جس کی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آرزو فرماتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں: یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ سَہْوَ مُحَمَّدٍ (اے کاش میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بھول ہو جاتا)۔ یہ وہی غفلت ہے کہ حضور اس کے سامنے ایک ادنیٰ ترین خادم کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہاں! یہ وہی غفلت تو ہے کہ وصول اس کے حصول کا پیش خیمہ ہے۔ ہاں! یہ وہی غفلت ہے جو بظاہر تنزل نظر آتی ہے لیکن درحقیقت بلندی ہے۔ ہاں ہاں!

صفحہ ۱۴۱

---

[1] صاحبِ صحو ذاتِ حق کی طرف مشغول ہونے کے باوجود حکمِ الٰہی سے مخلوق کی طرف بھی مشغول ہوتا ہے یہ مشغولیت ایک گونہ غفلت کو مستلزم ہے اور صاحبِ سکر مخلوق سے بالکل غافل ہو کر ذاتِ حق میں کلی طور پر مستغرق ہوتا ہے اس کے باوجود صاحبِ صحو کو اس پر فضیلت ہے کیونکہ وہ امرِ الٰہی سے مخلوق کی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو کر خلیفۃ اللہ ہونے کا فرض انجام دیتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مترجم۔

یہ وہی غفلت ہے جو خواص کو عوام کے مشابہ بنا دیتی ہے اور عوام کے لئے ان کے کمالات کے حجاب اور پردے بن جاتی ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بیحد شود

(ترجمہ)

جو اس کی شرح کروں بے حساب ہو جائے

اَلْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ وَالْقَطْرَۃُ تُنْبِئُ عَنِ الْبَحْرِ الْغَدِیْرِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (تھوڑی سی بات سے زیادہ باتوں پر رہنمائی حاصل ہو جاتی ہے اور ایک قطرہ بے پایاں سمندر کی خبر دیتا ہے۔ اور سلامتی ہو اُن پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ من الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی پیروی کو اپنے لئے لازم کریں)

۱۴ - منہا

پیغمبر اسلام کا خصوصی امتیاز حضرت رسالتِ خاتمیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باقی تمام انبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے درمیان تجلیٔ ذاتی کے ساتھ امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ اور اس دولتِ (عظمیٰ) کے ساتھ جو تمام کمالات سے اوپر کی چیز ہے آپؐ کی بارگاہ مخصوص ہے۔ اور آپؐ کی پیروی کرنے والوں میں سے کاملین اولیاء کا بھی اس مقامِ خاص میں حصہ ہے۔ کوئی معترض یہ نہ کہے کہ اس قیاس پر تو یہ لازم آتا ہے کہ اس اُمّت کے کاملین اولیا تمام انبیا علیہم السلام سے بھی افضل ہوں، حالانکہ یہ بات اہل السنت والجماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اعتقاد کے

۲۱ ملاف ہے۔ اور یہ فضیلت کوئی جزئی فضیلت بھی نہیں ہے جو یہ کہہ کر اس شبہ کو رفع کیا جائے۔ بلکہ یہ فضیلتِ کلی ہے کیونکہ لوگوں کا ایک دوسرے سے افضل ہونا محض قربِ الٰہی جل شانہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور جو فضیلت بھی ہو وہ اس فضیلت سے کم ہی کم ہے۔

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ میرے اس بیان سے کہ اس امت (محمدیہ) کے کاملین کا اس مقام میں حصہ ہوتا ہے، یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس مقام پر واصل بھی ہو چکے ہوں۔ اور فضیلت کا انحصار واصل ہونے پر ہے۔ اس امت کے جو کہ خیر الامم ہے، کاملین کا انتہائی عروج، انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے قدموں کے نیچے تک ہی ہوتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ انبیا علیہم الصلوات والتحیات کے بعد پوری نوعِ انسانیت کی سب سے بزرگ اور افضل ترین شخصیت ہیں۔ لیکن ان کا انتہائی عروج بھی کسی نبی کے قدم کے نیچے تک ہی ہوتا ہے جو تمام انبیاء کے درجات سے کمتر درجہ ہے۔

ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس امت کے کامل تابعداروں کو اس مقام میں جو مقام فوق الفوق کے کمالات سے نیچے کا مقام ہے پورا حصہ حاصل ہوتا ہے اور یہ فوق الفوق کا مقام ان کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ خادم جہاں کہیں بھی ہو اس کو اپنے مخدوم کا پس خوردہ پہنچ ہی جاتا ہے۔ دور کا خادم بھی مخدوم کے طفیل سے وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے کہ نزدیکی والے لوگوں کو خدمت کی

دولت کے بغیر میسر نہیں آتا۔ ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم ایں بس کہ رسد ز دور بانگِ جرسم

(ترجمہ) وہ جس قافلے میں جانتا ہوں میں نہ پہنچوں گا یہی بس ہے کہ آئے دور سے بانگِ جرس ہردم

جاننا چاہیے کہ مریدوں کو بھی بعض اوقات اپنے پیروں کے سلسلے میں یہ توہم پیدا ہو جایا کرتا ہے اور انھیں اپنے پیروں کے مقامات کا حصول (پیروں کے ساتھ) مساوات کے خیال میں گرفتار کر دیتا ہے۔ حالانکہ معاملہ کی حقیقت یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ مساوات کا حصول اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ مرید اُن مقامات پر واصل ہو جائے۔ ان مقامات کے صرف حصول پر منحصر نہیں، کیونکہ یہ حصول تو خود طفیلی ہے۔ (یعنی پیر کے طفیل سے حاصل ہو گیا ہے)۔ اس بات سے کوئی شخص یہ گمان بھی نہ کرے کہ مرید اپنے پیر کے برابر ہو ہی نہیں سکتا، ایسا نہیں ہے، بلکہ مساوات ممکن و جائز ہے بلکہ واقع بھی ہوتی ہے۔ لیکن کسی مقام کے حاصل ہو جانے اور اس مقام پر واصل ہو جانے کے درمیان بہت ہی باریک فرق ہے، ہر مرید کو اس دولت کی طرف ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ اس فرق کو سمجھنے میں کشفِ صحیح اور الہامِ صریح درکار ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ بِالصَّوَابِ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ (اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات دل میں ڈالنے والا ہے۔ اور سلامتی ہو اُن پر جو ہدایت کی پیروی کریں۔)

م۴۲

۱۵- منہا

احوال پیش آکر غائب کیوں ہو جاتے ہیں؟

ایک فقیر (سالک) نے دریافت کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ اس راہ پر چلنے والے کو ایک حالت پیش آتی ہے اور ایک عرصہ تک وہ برقرار رہتی ہے اور اس کے بعد غائب ہو جاتی ہے اور ایک مدت کے بعد پھر وہی حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور کچھ زمانے کے بعد پھر غائب ہو جاتی ہے۔ وَهٰكَذَا اِلٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى (اور جبتک خدائے تعالیٰ چاہتا ہے یہی صورت رہتی ہے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر آدمی کے سات لطیفے ہوتے ہیں اور ہر لطیفہ کی حکومت اور غلبہ کی مدت جداگانہ ہوتی ہے۔ پھر اگر وارد ہونے والی حالت ان میں سے لطیف ترین لطیفہ پر وارد ہوتی ہے اور کوئی قوی حالت اس پر نزول کرتی ہے تو سالک کی مجموعی کیفیت (کلیت) اسی لطیفہ کے رنگ میں رنگی جاتی ہے۔ اور وہی حالت تمام لطیفوں میں سرایت کر جاتی ہے اور جتنے عرصے تک اس لطیفہ کا غلبہ قائم رہتا ہے یہی حالت باقی رہتی ہے۔ اور جب اس لطیفہ کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہو جاتی ہے۔ اور ایک مدت کے بعد اگر پھر وہی حالت دوبارہ واپس لوٹ آتی ہے تو دو صورتوں سے خالی نہیں ہوتی۔ یا تو یہ حالت اسی پہلے لطیفہ پر لوٹتی ہے، اس وقت ترقی کی راہیں اس سالک پر مسدود ہو جاتی ہیں اور اگر کسی دوسرے لطیفہ پر وارد ہوتی ہے تو

ترقی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اور اس دوسرے لطیفہ میں بھی وہی پہلے لطیفہ والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حالت کے زائل ہو جانے کے بعد اگر وہی حالت دوبارہ واپس آتی ہے تو وہ بھی سابق دو صورتوں سے خالی نہیں ہوتی۔ وَهٰكَذَا حَالُ جَمِيعِ اللَّطَائِفِ (یہی صورت تمام لطیفوں کی ہے) ۴۳ پس اگر وہ وارد ہونے والی کیفیت تمام لطیفوں میں اصالۃً سرایت کر جائے تو سالک حال سے مقام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ (یعنی صاحبِ حال سے صاحبِ مقام بن جاتا ہے اور زوال سے محفوظ رہتا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْبَشَرِ وَآلِهِ الْأَطْهَرِ (اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ حقیقتِ حال کو سب سے زیادہ جانتے ہیں، اور درود و سلام ہو سردارِ دوجہاں اور آپؐ کی آلِ اطہار پر)۔

۱۶- منہا

آیتِ قرآنی کی لطیف تشریح

(عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو)۔

"حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (یعنی اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں بطورِ رزق عطا فرمائی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو) اس آیت میں یہ احتمال ہے کہ یہ شرط (کہ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو) اس امر کیلئے لگائی گئی ہو جو کھانے کے لئے فرمایا گیا ہے (یعنی پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ) یعنی جو کچھ ہم نے

تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے لذیذ چیزیں کھاؤ بشرطیکہ تمہاری طرف سے یہ بات صحیح ہو کہ تم اپنی عبادت کے لئے خدا ہی کی ذات کو مخصوص کرتے ہو۔ اور اگر تمہاری جانب سے یہ بات صحیح نہ ہو بلکہ تم اپنے نفس کی لہو ولعب میں ڈالنے والی خواہشات کی بندگی بھی کر رہے ہو تو ان تمام لذیذ چیزوں کو نہ کھاؤ کیونکہ اس صورت میں تم بیمار ہو اور باطنی مرض میں گرفتار ہو اور جو چیزیں بطور رزق کے دی گئیں ہیں ان میں سے لذیذ چیزیں تمہارے لئے زہر قاتل ہیں۔ ہاں جب تمہارا باطنی مرض جاتا رہے تو اُن لذیذ چیزوں کا کھانا تمہارے لئے درست ہو جائے گا۔ صاحب کشافؒ (علامہ زمخشریؒ) نے شکر کے مطالبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اس جگہ طَیِّبَاتْ کی تفسیر مُسْتَلَذَّات (لذیذ اور دل پسند چیزوں) سے کی ہے۔

۱۷۔ منہا

کیا معرفت کے بعد کوئی لغزش نقصان دہ نہیں ہوتی؟ (عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو)۔ بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا

لہ ابو القاسم محمود بن عمر جو علامہ زمخشریؒ یا صاحب کشاف کے نام سے مشہور ہیں عربی زبان، ادب اور علوم دین میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ کو خوارزم میں پیدا ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں رہ کر علوم دین حاصل کئے۔ اسی وجہ سے جار اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اعتزال کی جانب مائل تھے۔ آپ کی زیادہ شہرت کلام مجید کی تفسیر کشاف کی وجہ سے ہے۔ وفات عرفہ کے دن ۵۳۸ھ خوارزم میں جرجانیہ کے مقام پر ہوئی۔

ارشاد ہے کہ "جس نے خدا کی معرفت حاصل کر لی اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے معرفت حاصل کرنے سے پہلے جن گناہوں کا ارتکاب کر لیا تھا وہ اسے نقصان نہیں دیتے۔ کیونکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے جو گناہ ہو چکے ہوں انھیں اسلام بالکل ختم کر دیتا ہے۔ اور صوفیہ کے طریقے پر حقیقی اسلام، فنا و بقا کے بعد، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت ہی ہے۔ لہذا اس معرفت کا حصول، ان گناہوں کو جو اس سے پہلے سرزد ہو چکے ہوں ختم کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ گناہ سے مراد وہی گناہ ہوں جو اس معرفت کے بعد سرزد ہوں تو اس صورت میں گناہ سے مراد، صغیرہ گناہ ہوں گے کبیرہ نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ صغیرہ گناہ اس لئے نقصان نہیں دیتے کہ عارف ان پر اصرار نہیں کرتا اور بغیر کسی فصل کے فوراً ہی اس کا تدارک توبہ اور استغفار سے کر لیتا ہے ـــــ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ عارف سے کوئی گناہ صادر ہی نہیں ہوتا کیونکہ گناہوں کا صادر نہ ہونا ان کے نقصان نہ دینے کیلئے ملزوم ہے۔ اور ان کا نقصان نہ دینا اس کے لئے لازم ہے (یعنی جب کوئی شخص گناہ ہی نہیں کریگا تو لازماً اسے ان کا نقصان بھی نہیں پہنچے گا) لہذا لازم کو ذکر کر کے ملزوم مراد لیا گیا ہے۔ اور جو کچھ ملحدوں نے اس عبارت سے توہم کیا ہے کہ عارف کے لئے گناہوں کا ارتکاب

کرنے کی گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں دیتے تو یہ توہم قطعاً باطل ہے اور صریحاً زندقہ ہے۔ أُولٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ { ایسے لوگ شیطان کی ٹولی والے ہیں خبردار رہو کہ شیطان کی ٹولی والے ہی خسارہ میں رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے دلوں کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد کجی کی طرف مائل نہ فرما۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ یقیناً تو بہت عطا فرمانے والا ہے } اور حق تعالیٰ اپنی رحمتیں، سلامتیاں اور برکتیں نازل فرمائے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر۔

میں خداوند کریم (کی ذات) سے جس کی مغفرت بڑی ہی وسیع ہے یہی امید رکھتا ہوں کہ ایسے عارف کو جو اسلام کی حقیقت سے واقعی آشنا ہو چکا ہو معرفت سے قبل ارتکاب کردہ گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اگرچہ یہ گناہ مظالم اور حقوق العباد کی قسم ہی سے کیوں نہ ہوں کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ ہی مالکِ مطلق ہے۔ اور بندوں کے قلوب اس کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں[۲] کے درمیان ہیں۔ وہ انھیں جس طرح چاہتا ہے الٹتا پلٹتا رہتا ہے اور مطلق اسلام کا قبول کرنا ہی گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، سوائے مظالم اور بندوں کے حقوق کے جیسا کہ ظاہر ہے، پس بیشک

حقیقت اور کمال کو ایسی برتری اور فضیلت ہوتی ہے جو اس چیز کو مطلق صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔

۱۸- منہا

وجودِ باری تعالیٰ کے سلسلہ میں خصوصی معرفت

حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ، برخلاف باقی تمام موجودات کے کہ وہ سب وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ اس صورت میں حق تعالیٰ کو موجود ہونے کے لئے وجود کی احتیاج لازم ہی نہیں آتی جو اس سے بچنے کے لئے لوگوں کو یہ کہنا پڑے کہ حق تعالیٰ کا وجود عینِ ذات ہے، زائد نہیں ہے۔ تاکہ غیر کی احتیاج لازم نہ آئے۔ ذاتِ حق جلّ سلطانہ کے لئے وجود کے عینِ ذات ہونے کا اثبات کرنے کے لئے بلند و بالا دلائل کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور اس صورت میں ہمیں خصوصیت کے ساتھ جمہور اہلِ السنت والجماعت کی مخالفت بھی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ یہ بزرگ وجود کے عین ذات ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ وہ وجود کو زائد سمجھتے ہیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اگر ہم ذات واجب تعالیٰ و تقدس کو ایسے وجود کے ساتھ موجود کہیں جو اس کی ذات پر زائد ہو تو وجود کے زائد ہونے کا یہ حکم اس بات کو مستلزم ہے کہ ذاتِ واجب تعالیٰ و تقدس غیر کی طرف محتاج ہو۔ لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے، اور اس وجود کو ہم ایک عرضِ عام کی حیثیت سے لیں تو جمہور متکلمین اہلِ حق کی بات بھی درست ہو جاتی ہے اور احتیاج کا اعتراض

م ۴۵

بھی جو مخالفین پیش کرتے ہیں پوری طرح دُور ہوجاتا ہے۔ اس بات کے درمیان کہ واجب تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہیں اور وجود کو اس میں بالکل کوئی دخل نہ دیں اور اس بات کے درمیان کہ اسے وجود کے ساتھ موجود کہیں اور اس وجود کو عینِ ذات ثابت کریں، (ان دونوں باتوں کے درمیان) واضح فرق ہے۔ یہ معرفت ان خصوصیات میں سے ہے جن کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے۔ اس پر اللہ سبحانہ کا حمد و شکر کرتا ہوں اور اس کے رسولؐ پر درود و سلام بھیجتا ہوں۔

۱۹۔ منہا

مزید وضاحت حضرتِ واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی خصوصیات میں سے یہ بات ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہو اور اپنے موجود ہونے میں قطعاً وجود کا محتاج نہ ہو۔ خواہ ہم وجود کو عینِ ذات مانیں یا ذات پر زائد کہیں، ان دونوں صورتوں، یعنی عینیت اور زیادتی میں وہی بات جس سے بچنے کی کوشش کی گئی تھی لازم آتی ہے (یعنی عینیت ماننے کی صورت میں لمبی چوڑی دلیلوں کی ضرورت پڑتی ہے اور جمہور اہلِ سنت کی مخالفت بھی لازم آتی ہے اور زائد ماننے کی صورت میں ذاتِ حق کیلئے غیر کا محتاج ہونا لازم آتا ہے) چونکہ حضرتِ حق کی سنت اِس انداز پر جاری ہے کہ جو کچھ مرتبۂ وجوب میں پایا جاتا ہے اس کا نمونہ امکان کے ہر مرتبہ میں بھی ظاہر فرما دیتا ہے، عَلِمَہٗ أَحَدٌ أَوْ لَمْ يَعْلَمْهُ (یعنی اسے کوئی جانے یا نہ جانے) حق تعالیٰ نے عالمِ امکان میں اس خصوصیتِ واجب الوجود کا ایک نمونہ وجود کو بنایا ہے ــــ

کیونکہ وجود حقیقت میں اگرچہ موجود نہیں ہے اور اس کا شمار معقولاتِ ثانیہ میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کریں تو وہ بذاتِ خود ہی موجود ہوگا نہ کہ کسی دوسرے وجود کے ساتھ۔ برخلاف دوسری موجودات کے کہ ان کا موجود ہونا وجود کا محتاج ہے۔ خود ان کی ذاتیں اپنے وجود کے لئے کافی نہیں ہیں۔ پس جبکہ وہ وجود جسے لوگوں نے اشیا کے موجود ہونے میں دخیل تسلیم کیا ہوا ہے، اگر موجود ہوگا تو اپنی ذات ہی کے ساتھ موجود ہوگا۔ اور کسی دوسرے وجود کا محتاج نہیں ہوگا۔ خالقِ موجودات تعالیٰ و تقدس، اگر مستقل طور پر اپنی ذات ہی کے ساتھ موجود ہو اور قطعاً وجود کا محتاج نہ ہو تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ حقیقت سے دور لوگ اگر اسے بعید (ناممکن) سمجھتے ہیں تو یہ بات مبحث سے خارج ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات دل میں ڈالنے والا ہے)۔

۴۶

ایک اعتراض اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حکماء اور اشعریہ اور بعض خود ساختہ صوفیہ جو ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کے لئے وجود کے عین ہونے کے قائل ہوئے ہیں تو وہ بھی یہی بات کہتے ہیں جو تم نے گذشتہ معرفت میں کہی ہے کہ واجب الوجود (ذاتِ حق) تعالیٰ و تقدس بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔ پس اس بات کے معنی کہ (واجب الوجود) ایک ایسے وجود کے ساتھ موجود ہے جو اس کی ذات کا عین ہے، یہی ہیں کہ وہ بذاتِ خود موجود ہے، نہ کہ وجود کے ساتھ۔

جواب تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس مفروضہ کی بنا پر تو اس مسئلہ میں اہلِ سنت کا ان حضرات کے ساتھ کوئی اختلاف ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں تو اہلِ حق کو ان کے مقابلے میں یوں کہنا چاہئے تھا کہ حق تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے بذاتِ خود موجود نہیں ہے۔ (تاکہ اختلاف کی کوئی شکل تو نکلتی) اس مفروضہ کی بنا پر وجود کی زیادتی کا ثابت کرنا غلط ہے۔ لہذا وجود کے زائد ہونے کا اثبات خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فریقین کا اختلاف خود وجود کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس کے وصف کے بارے میں ہے کہ وہ اس کی ذات کا عین ہے یا ذات پر زائد ہے۔ یعنی دونوں فریق اس بات کے تو قائل ہیں کہ حق تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس بات میں اُن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ پھر یہ وجود اس کی ذات کا عین ہے یا اس کی ذات پر زائد ہے۔

دوسرا اعتراض اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ جب واجب الوجود، تعالیٰ و تقدس، بذاتِ خود موجود ہے تو واجب تعالیٰ کو موجود کہنے کے معنی کیا ہوں گے؟ کیونکہ موجود اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وجود قائم ہو اور یہاں (آپ نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ) وجود مطلقاً ہے ہی نہیں۔

جواب اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہاں، ایسا کوئی وجود جس کے ساتھ ذاتِ واجب تعالیٰ و تقدس موجود ہو، واجب تعالیٰ میں نہیں

پایا جاتا۔ لیکن ایسا وجود جسے عرضِ عام کے طور پر ذاتِ حق تعالیٰ پر بولا جائے اور وہ بطورِ اشتقاق کے اس پر محمول ہو تو اگر اس وجود کے قیام کے اعتبار سے واجب تعالیٰ کو موجود کہدیں تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے اور اس میں کوئی محذور (یعنی جس سے بچنے کی کوشش کی جا رہی ہے) لازم نہیں آتا۔ والسّلام۔

۳۰۔ منہا

خدا کی ذات مشاہدہ، رویت، وہم اور خیال میں نہیں آسکتی۔

ہم ایسے خدا کی ہرگز پرستش نہیں کرتے جو شہود کے احاطہ میں آسکے جو دیکھا جا سکے، جو معلوم ہو سکے، اور جو وہم و خیال میں سما سکے۔ کیونکہ مشہود، مرئی، معلوم، موہوم اور خیال میں آجانے والی چیز، مشاہدہ کرنے والے، دیکھنے والے، جاننے والے، وہم کرنے والے اور خیال کرنے والے کی طرح مخلوق اور پیدا شدہ ہے۔

ع آں لقمہ کہ در دہاں نگنجد طلبم

(ترجمہ) سما سکتا نہیں منھ میں، میں اس لقمہ کا طالب ہوں

سیر و سلوک کا مقصد ہی پردوں کو چاک کرنا ہے، خواہ یہ پردے وجوبی ہوں یا امکانی تاکہ بے پردہ وصال میسر آسکے۔ یہ نہیں کہ مطلوب کو اپنی قید میں لائیں اور اپنا شکار بنالیں ؎

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

(ترجمہ)
اٹھالے جال عنقا کب کسی کے ہاتھ آتا ہے
لگا تا ہی یہاں جو جال خالی ہاتھ جاتا ہے

رہ گئی یہ بات کہ آخرت میں رویت کا ہونا برحق ہے تو ہمارا اس پر ایمان ہے۔ لیکن ہم اس بات کے درپے نہیں ہوتے کہ اس کی کیفیت کیا ہوگی۔ کیونکہ عوام کی فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ خواص بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے لئے تو اس مقام سے اس دنیا میں بھی حصہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا نام رویت نہیں رکھا جاتا۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۲۱۔ منہا

مزید توضیح جو چیز دید و دانش میں آسکے وہ مقید ہوتی ہے اور اطلاقِ محض کے درجہ سے فروتر ہے۔ اور مطلوب وہ ہے جو کہ تمام قیود سے مبرّا اور منزّہ ہو۔ لہٰذا اس مطلوب یعنی ذاتِ حق کو دید و دانش سے ماوراء میں تلاش کرنا چاہیے۔ یہ معاملہ نظرِ عقل کے انداز سے پرے (وراء) کی چیز ہے۔ کیونکہ عقل ایسی چیزوں کی تلاش کو ناممکن سمجھتی ہے جو دید و دانش سے ماوراء ہوں ؎

رازِ درونِ پردہ زِ رندانِ مست پرس　　کیں حال نیست صوفیٔ عالی مقام را

(ترجمہ)

رازِ درونِ پردہ تو مستوں سے پوچھئے　　یہ حال کب ہے صوفیٔ عالی مقام کا

۲۲۔ منہا

اطلاقِ محض ذاتِ مطلق اپنے اطلاقِ محض پر موجود ہے۔ اس کے ساتھ کسی قسم کی قید کو دخل نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس کا ظہور مقید (مخلوق) کے آئینوں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا عکس اُن آئینوں کے احکام میں رنگ جاتا ہے

(یعنی وہی رنگ اختیار کر لیتا ہے) اور مقید و محدود نظر آنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ لامحالہ دید و دانش میں آجاتا ہے۔ لہٰذا دید و دانش پر اکتفا کر لینا دراصل اس مطلوب کے کسی ایک عکس پر اکتفا کرنا ہوگا۔ لیکن جو لوگ عالی حوصلہ اور بلند ہمت ہوتے ہیں وہ اخروٹ اور منقی سے سیری حاصل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ بلند ہمت لوگوں ہی کو درست رکھتا ہے حق تعالیٰ سبحانہ ہمیں سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل بلند ہمت لوگوں میں سے بنائے۔ (آمین)۔

۲۳۔ منہا

فرشتوں پر انسان کی فضیلت | ابتدائی حالات میں ایک روز مجھے ایسا نظر آیا کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور ایک دوسری جماعت بھی میرے ساتھ اس طواف میں شریک ہے لیکن اس جماعت کی سست رفتاری اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ جب تک میں طواف کا ایک پورا دور ختم کر لیتا ہوں اس عرصہ میں وہ جماعت دو تین قدم کی مسافت ہی طے کر پاتی ہے۔ اسی دوران میں مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مکان عرش سے اوپر ہے اور طواف کرنے والوں کی یہ جماعت ملائکہ کرامؑ کی جماعت ہے۔ ہمارے نبیؐ پر اور ان سب پر خدا کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں۔ اور خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص فرما لیتا ہے۔ اور اللہ بہت ہی بڑے فضل والا ہے۔ ۲۹

۲۴- منہا

اولیاء اللہ مافوق البشر نہیں ہوتے اولیاء اللہ کے پردے اور حجابات دراصل ان کی صفاتِ بشریت ہی ہیں۔ جن چیزوں کے سب لوگ محتاج ہوتے ہیں، یہ بزرگ بھی ان سب چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ ولایت، انھیں اس احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیتی۔ ان کا غصہ بھی باقی تمام لوگوں کے غصہ ہی کی طرح کا ہوتا ہے۔ جبکہ سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات بھی فرماتے ہیں کہ اَغْضَبُ کَمَا یَغْضَبُ الْبَشَرُ (مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جس طرح ہر انسان کو غصہ آتا ہے) تو اولیاء اللہ اس سے کہاں بچ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ بزرگ بھی کھانے، پینے، اہل و عیال کے ساتھ معاشرت اور موانست کرنے میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ مختلف قسم کے تعلقات جو بشر ہونے کے لئے لازمی ہیں خواص اور عوام کسی سے بھی زائل نہیں ہو سکتے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ، انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شان میں خود ہی فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ (ہم نے ان کے ایسے اجسام نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھائیں) اور ظاہر بین کفار کہا کرتے تھے کہ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے) لہٰذا جس کی نظر اہل اللہ کے ظاہر پر پڑی وہ محروم ہو گیا اور دنیا و آخرت کا خسارہ ہی اسے ہاتھ آیا۔ اسی ظاہر بینی نے ابوجہل اور ابولہب کو اسلام کی دولت سے محروم رکھا اور انھیں ہمیشہ

ہمیشہ کے خسارے میں ڈال دیا۔ سعادت مند وہی ہے جس کی نظر اہل اللہ کی ظاہر بینی سے کوتاہ ہو گئی۔ اور اس کی نظر کی تیزی ان بزرگوں کی باطنی صفات تک پہنچ گئی اور ان کے باطن پر ہی لگی رہی۔ فَهُمْ كَنِيْلِ مِصْرَ بَلَاءٌ لِّلْمَحْجُوْبِيْنَ وَمَاءٌ لِّلْمَحْبُوْبِيْنَ { یہ حضرات (اہل اللہ) مصر کے دریائے نیل کی طرح ہیں کہ محجوبین (حجابات میں پڑے ہوئے لوگوں) کے لئے طوفانِ بلا ہیں اور محبوبین (پسندیدہ لوگوں) کے لئے (حیات بخش) پانی کی طرح ہیں } —— صفاتِ بشریت کا معاملہ بھی بڑا عجیب و غریب ہے کہ یہ جس قدر اہل اللہ میں ظاہر ہوتی ہیں دوسرے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظلمت اور کدورت اگرچہ تھوڑی سی بھی کیوں نہ ہو، ہموار اور صاف ستھرے مقام میں زیادہ نمایاں ہو کر نظر آتی ہے۔ اس کے بالمقابل ناہموار اور غیر مصفّٰی مقام میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، نمایاں نظر نہیں آتی۔ لیکن صفاتِ بشریت کی تاریکی اور ظلمت عام لوگوں میں ان کی مجموعی حیثیت (کلیت یعنی تمام لطائف ظاہر و باطن) میں سرایت کر جاتی ہے اور جسم، قلب اور روح تک میں دوڑ جاتی ہے۔ اور خواص میں یہ ظلمت محض ان کے جسم اور نفس تک ہی محدود رہتی ہے اور اخصِ خواص حضرات (خاص الخاص) کا نفس بھی اس ظلمت سے محفوظ رہتا ہے صرف ان کا جسم ہی اس سے متاثر ہوتا ہے اور بس۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ ظلمت عام لوگوں میں نقصان اور خسارہ کا موجب ہوتی ہے اور خواص میں کمال اور

منشہ ۵

تروتازگی کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ خواص کی ظلمت ہی تو ہوتی ہے جو عوام کی ظلمتوں کو دور کرتی ہے، ان کے قلوب کو تصفیہ بخشتی اور ان کے نفوس کو تزکیہ عطا کرتی ہے۔ اگر یہ ظلمت نہ ہوتی تو خواص کو پھر عوام کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہ ہوتی۔ اور افادہ اور استفادہ کی راہ ہی مسدود ہو جاتی۔ اور یہ ظلمت، خواص میں اس حد تک قائم نہیں رہتی کہ مکدر کر دے بلکہ ندامت اور استغفار جو اس کے بعد ہاتھ آتا ہے وہ اتنی ہی اور ظلمت و کدورت کو بھی دور کر دیتا ہے اور مزید ترقیاں عطا کرتا ہے۔ یہی ظلمت تو ہے جو ملائکہ میں مفقود ہے اور جس کی وجہ سے ان کی ترقی کی راہ مسدود ہو گئی ہے۔ اسے ظلمت کہنا تو مَدَحٌ بِمَا یُشْبِہُ الذَّمْ {ایسی تعریف جو مذمت سے مشابہت رکھے} کی قسم سے ہے۔ چوپایوں کی طرح سے بے خبر عوام اہل اللہ کی صفاتِ بشریت کو خود اپنی صفاتِ بشریت کے رنگ میں سمجھ لیتے ہیں اور اس وجہ سے محروم اور ذلیل و خوار رہتے ہیں۔ غائب کو حاضر پر قیاس کر لینا ہمیشہ غلط ہوا کرتا ہے۔ ہر مقام کی الگ الگ خصوصیات ہیں اور ہر جگہ کی جدا جدا ضروریات ہیں۔ اور سلامتی ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلٰی آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی کو لازم جانیں۔

۲۵۔ منہا

مل۔ علوم امکانی اور معارفِ وجوبی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے	آدمی جب تک اور جتنے عرصہ تک علم و دانش میں گرفتار اور ما سوا کے نقوش سے

منقش رہتا ہے، ذلیل اور بے اعتبار (ناقابلِ لحاظ) رہتا ہے۔ ما سوا کو بھول جانا اس راہ کی لازمی شرط ہے۔ اور ما سوا کا فنا ہو جانا ہی اگلی منزل کی طرف قدم بڑھانا ہے۔ جبتک باطن کا آئینہ امکان کے زنگ اور میل سے بالکل ہی صاف نہ ہو جائے اس میں حضرتِ وجوب کا ظہور محال اور ناممکن ہے۔ کیونکہ علومِ امکانی کا معارفِ وجوبی کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ اضداد کا ایک جگہ پر جمع ہو جانا۔ (اور اجتماعِ اضداد محال ہے)۔

سوال: یہاں ایک قوی سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کارکنانِ قضا و قدر کسی عارف کو مقامِ بقا کے ساتھ شرف فرماتے اور ناقص لوگوں کی تکمیل کے لئے اسے (عالمِ امکان کی طرف) واپس بھیجتے ہیں تو جو (امکانی) علوم زائل ہو چکے تھے وہ پھر واپس آجاتے ہیں۔ اور اس صورت میں علومِ امکانی اور معارفِ وجوبی ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ تم نے اسے جمع ضدین (دو ضدوں کا اکٹھا ہو جانا) کہا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ باقی باللہ (خدا کے ساتھ باقی رہنے والا) عارف اس وقت (جبکہ وہ ہدایت و ارشاد کے لئے عالمِ امکان کی طرف واپس آتا ہے) برزخیت کا حکم حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ وجوب اور امکان کے درمیان ایک برزخ کا درجہ رکھتا ہے اور دونوں مقامات کے رنگوں میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر دونوں مقامات کے علوم و معارف اس میں جمع ہو جائیں تو اس میں کیا اشکال ہے

کیونکہ اجتماعِ ضدّین کا محل ایک نہیں رہا بلکہ گویا متعدد محل بن گئے ہیں لہٰذا اجتماعِ ضدّین نہیں ہوا۔

۲۶۔ منہا

علم الاشیاء کی واپسی نقص کا باعث نہیں

چیزوں کا علم جو مرتبۂ فنا میں زائل ہو گیا تھا۔ مرتبۂ بقا میں اگر واپس آجاتا ہے تو اس سے عارف کے کمال میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ بلکہ اس رجوع ہی میں اس کا کمال ہے۔ اور بلکہ اس کی تکمیل اسی رجوع کے ساتھ وابستہ ہے، کیونکہ عارف، مقامِ بقا میں واصل ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلّق یعنی آراستہ و پیراستہ ہو جاتا ہے۔ اور چیزوں کا علم ذات واجب تعالیٰ میں عینِ کمال ہے اور اس کا عکس موجبِ نقصان ہے۔

(عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو) پس یہی حال اس عارف کا ہے جو اخلاقِ خداوندی میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ممکن میں علم حاصل ہونے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عالم کے ذہن میں معلوم کی صورت کا حصول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر عالم کی ذات اپنے اندر معلوم کی صورت کے حصول سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ اور جس قدر علم زیادہ ہوتا جاتا ہے، عالِم کی اثر پذیری بھی بڑھتی جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اُس عالِم کے اندر تغیّر اور تلوّن زیادہ وسیع اور زیادہ پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نقص بن جاتا ہے۔ لہٰذا طالب کیلئے ضروری ہے کہ ان تمام علوم کی نفی کرے اور سب اشیاء کو

۵۲ ص

بھول جائے۔ لیکن ذاتِ واجب تعالیٰ میں علم کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ذاتِ حق سبحانہٗ اس سے منزہ ہے کہ اس میں اشیاءِ معلومہ کی صورتیں حلول کر سکیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کے علم کا تعلق اشیاء کے ساتھ قائم ہوتے ہی اشیا حق تعالیٰ پر خود بخود منکشف ہو جاتی ہیں۔ پس پاک ہے وہ ذات جو طرح طرح کے احوال پیدا ہونے سے اپنی ذات، صفات اور افعال میں کسی تغیر کو قبول نہیں کرتی۔ اور جو عارف خدائی اخلاق میں رنگ جاتا ہے اس کا علم بھی اسی انداز کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس میں بھی معلوم اشیا کی صورتیں حلول نہیں کرتیں۔ لہٰذا اس کے حق میں بھی کوئی اثر پذیری نہیں ہوتی۔ اور اس وجہ سے نہ اس میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی تلون۔ لہٰذا وہ کوئی نقص نہیں ہوتا بلکہ کمال بنتا ہے۔ یہ حکمت اور راز دقیق اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی برکت سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کے ساتھ مخصوص فرما لیتے ہیں۔

۲۷۔ منہا

اطمینانِ نفس کے بعد مقامِ رضا کا حصول

اس فقیر کو رجوع الی الحق کے ابتدائی زمانے یعنی سلوک کی راہ میں قدم رکھنے کے وقت سے بارہویں سال میں مقامِ رضا سے مشرف فرمایا گیا۔ اول نفس کو اطمینان

کی دولت بخشی گئی اور اس کے بعد بتدریج، محض فضلِ خداوندی سے اس سعادت (مقامِ رضا) سے بہرہ اندوز فرمایا گیا۔ یہ فقیر اُس وقت تک اس دولت سے مشرف نہیں ہوا جب تک کہ بارگاہِ ایزدی جل سلطانہ کی رضا کا ایک پرتو (عکس) روشن ہو کر سامنے نہیں آیا۔ اس کے بعد نفسِ مطمئنہ اپنے مولیٰ سے راضی ہو گیا۔ اور اس کا مولیٰ نفسِ مطمئنہ سے راضی ہو گیا۔ اس نعمت پر اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ ایسی حمد و ثنا جو بے پایاں اور پاکیزہ ہو اور اس کے اندر اور اس کے اوپر برکت ہی برکت ہو، ایسی حمد و ثنا کہ جس کو ہمارا پروردگار پسند فرمائے اور راضی ہو، اور درود و سلام ہو اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر جیسا بھی ان کی ذات کے لائق ہو۔

۵۳ **سوال:** اگر لوگ سوال کریں کہ جب نفسِ (مطمئنہ) اپنے مولیٰ اور آقا سے راضی ہو گیا تو اس کے بعد دعا، اور مصیبت و بلا کو دفع کرنے کی خواہش و طلب کے کیا معنی ہوں گے؟

جواب: اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ مولیٰ (یعنی حق) تعالیٰ کے فعل سے راضی ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اس کی مخلوق سے بھی راضی ہو جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخلوق سے راضی ہونا جو کفر اور معاصی کے رنگ میں ہو معیوب اور قبیح ہوتا ہے۔ لہٰذا قبیح کی پیدائش سے تو رضا ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی خود اس قبیح مخلوق سے ناپسندیدگی اور کراہت ضروری ہے۔ جبکہ خود اللہ تعالیٰ بھی قبیح سے راضی نہیں ہوتا

تو بندہ اس سے کس طرح راضی ہو سکتا ہے۔ بلکہ بندہ تو اس صورت میں شدت اور سختی برتنے پر مامور ہے۔ لہذا مخلوق سے کراہت اور ناپسندیدگی اُس کے فعلِ پیدائش سے رضا اور پسندیدگی کے منافی نہیں ہے۔ اس توجیہ کے بعد مصیبت و بلا کے دفعیہ کی طلب کے مستحسن معنی پیدا ہو جاتے ہیں، اور جن لوگوں نے فعل (خَلق) سے رضا اور مفعول (مخلوق) سے کراہت میں فرق نہیں کیا، وہ حصولِ رضا کے بعد کراہت کے موجود ہونے میں اشکالات میں پڑ گئے ہیں، اور ان کو رفع کرنے کے لئے انھوں نے طرح طرح کے تکلفات کئے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ کراہت کا پایا جانا، رضا کے حال کے منافی ہے۔ رضا کے مقام کے منافی نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہ کے الہام سے تحقیق کے ساتھ بیان کر دی ہے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۳۸ ـ منہا

قرأت خلف الامام | مجھے مدتوں اس کی آرزو رہی کہ مذہبِ حنفی میں کوئی معقول وجہ ایسی نکل آئے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرأت کی جائے جبکہ نماز میں قرأت کرنا فرض ہے تو قرأتِ حقیقی کو چھوڑ کر قرأتِ حکمی کو اس کی جگہ دیدینا معقول معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور ساتھ ہی حدیثِ نبویؐ میں بھی یہ بات آچکی ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (فاتحۃ الکتاب (سورۂ فاتحہ) کے بغیر کوئی نماز، نماز ہی نہیں) لیکن بپاسِ مذہب (حنفی) مجبوراً

ترکِ قراءت کرتا تھا۔ اور اس ترک کو ریاضت اور مجاہدہ کی قسم سے شمار کرتا تھا، کیونکہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں جانا بھی (ایک گونہ) الحاد ہی ہے۔ آخر کار حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے مذہبِ (حنفی) کی اس رعایت کی برکت سے مقتدی کے قراءت کو چھوڑ دینے کے بارے میں مذہبِ حنفی کی حقیقت کو واضح فرما دیا۔ اور پھر بصیرت کی نگاہ میں قراءتِ حکمی ہی قراءتِ حقیقی کے بجائے زیبا تر نظر آئی۔ کیونکہ امام اور مقتدی سب کے سب متفقہ طور پر مقامِ مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں لِاَنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ (کیونکہ نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے مناجات ہی تو کرتا ہے) اور انھوں نے امام کو اس سلسلہ میں اپنا پیشوا (اور ترجمان یا نمائندہ) بنایا ہے۔ لہٰذا امام جو کچھ پڑھتا ہے گویا پوری قوم کی زبان سے پڑھتا ہے۔ بالکل اسی انداز سے جیسا کہ لوگوں کی کوئی جماعت (وفد) کسی ضرورت کے سلسلہ میں کسی عظیم الشان بادشاہ کے سامنے پیش ہوتی ہے اور ایک آدمی کو اپنا پیشوا (نمائندہ) بنا لیتی ہے تاکہ وہ ان تمام لوگوں کی زبان سے (بادشاہ کے سامنے) عرضِ حاجت کرے۔ اس صورت میں اگر دوسرے لوگ اپنے پیشوا کے بولنے کے باوجود خود بھی بولنا شروع کر دیں تو یہ بے ادبی اور گستاخی میں داخل ہوگا اور بادشاہ کی ناراضگی کا باعث بنے گا۔ لہٰذا اس جماعت کا تکلمِ حکمی جو ان کے پیشوا (نمائندہ) کی زبان سے ادا ہو رہا ہے، ان سب کے تکلمِ حقیقی سے بہتر ہے۔ بالکل یہی حال امام کی قراءت کے باوجود قوم کے قراءت کرنے کا ہے کہ یہ شور و شغب میں داخل

مسئلہ

اور ادب سے دُور اور بد تر ہونے کا باعث ہے جو اجماع کے منافی ہے۔
حنفی اور شافعی فقہ کے اکثر اختلافی مسائل اسی قسم کے ہیں کہ ان کا ظاہر اور ان کی صورت امام شافعیؒ کی جانب کو ترجیح دینے والی معلوم ہوتی ہے لیکن ان کا باطن اور ان کی حقیقت مذہبِ حنفی ہی کی مؤید ہے۔

کارکنانِ قضا و قدر نے اس فقیر پر یہ بھی ظاہر فرمایا ہے کہ علمِ کلام کے اختلافات میں بھی حق، حنفی ہی کی جانب ہے۔ مثلاً حنفی، تکوین کو صفاتِ حقیقیہ میں سے شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ (یہ کوئی حقیقی صفت نہیں ہے بلکہ) اس کا انجام قدرت اور ارادہ ہی کی صفات ہیں۔ لیکن باریک بینی اور نورِ فراست سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تکوین (واقعی) ایک علیحدہ (اور مستقل) صفت ہے۔ علی ہذا القیاس۔ اور فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق فقہِ حنفی کی طرف ہی متیقن ہے۔ بہت کم مسائل ہیں جن میں کوئی تردد کر سکتا ہے۔

ماتریدیہ کی تائید احوالِ سلوک کے درمیانی حالات میں ایک مرتبہ حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات نے واقعہ میں اس فقیر سے فرمایا تھا کہ "تو علمِ کلام کے مجتہدین میں سے ہے"۔ اسی وقت سے مسائلِ کلامیہ کے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی خاص رائے اور مخصوص علم ہوتا ہے۔ اکثر اختلافی مسائل میں جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے درمیان جھگڑا ہے، جب وہ مسئلہ ابتدائی طور پر سامنے آتا ہے تو حقیقت اشاعرہ کی طرف سمجھ میں آتی ہے لیکن جب نورِ فراست سے باریک بینی کے ساتھ

۵۵

غور کیا جاتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حق ماتریدیہ ہی کی طرف ہے۔ علمِ کلام کے تمام اختلافی مسائل میں اس فقیر کی رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے اور سچی بات یہ ہے کہ سنتِ سنیۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی پیروی کی وجہ سے ان بزرگوں کی بڑی ہی شانِ عظیم ہے جو ان کے مخالفین کو میسر نہیں ہے کیونکہ انھوں نے فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں کی بڑی آمیزش کر ڈالی ہے۔ اگرچہ دونوں فریق اہلِ حق میں سے ہیں۔

امام اعظمؒ کی عظمت ان بزرگوں کے بزرگ ترین امام، امامِ اجل، پیشوائے اکمل ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلندئ شان کے متعلق میں کیا لکھوں کہ وہ تو تمام مجتہدین میں خواہ امام شافعیؒ ہوں یا امام مالکؒ اور یا امام احمد ابن حنبلؒ ہوں سب سے زیادہ عالم اور تقویٰ اور ورع میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَ (سارے فقہا ابو حنیفہؒ کے پروردہ ہیں) منقول ہے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظمؒ کی قبر کی زیارت کے لئے جاتے تھے تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے اور اپنی رائے پر عمل نہیں کرتے تھے

لہ آپ کا اصل نام نعمان بن ثابتؒ ہے اور کنیت ابو حنیفہؒ ہے امام اعظمؒ اور امام صاحب لقب ہے، ۸۰ھ میں کوفہ میں ولادت ہوئی۔ اور ۱۵۰ھ بعہد منصور عباسی بغداد میں انتقال فرمایا۔ آپ کے اصل استاد حمادؒ تھے۔ اُن کے علاوہ اور بھی ائمہ اور تابعین سے آپ نے فیض حاصل کیا آپ کے شاگردوں میں امام ابو یوسفؒ، امام محمد شیبانیؒ اور امام زفرؒ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ فقہ کے چار اماموں میں آپ پہلے امام ہیں، تمام دنیائے اسلام کے اہلسنت وجماعت کا سوادِ اعظم آپ ہی کے مرتب کئے ہوئے مسائلِ فقہیہ پر کاربند ہے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے شرم آتی ہے کہ ان کے سامنے میں اپنی اُس رائے پر عمل کروں جو ان کی رائے کے خلاف ہو"۔ وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیتے تھے اور فجر کی نماز میں قنوت بھی نہیں پڑھتے تھے۔ یقیناً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتِ شان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ کل کو (آئندہ زمانے میں) جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہی عمل فرمائیں گے۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارساؒ[1] قدس سرہ (اپنی کتاب) "فصولِ ستہ" میں فرماتے ہیں۔ ان (امام ابوحنیفہؒ) کے لئے یہی بزرگی بہت کافی ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر اُن کے مذہب پر عمل کریگا۔ دوسری سینکڑوں بزرگیاں اس ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ ہمارے حضرت خواجہ (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ تھوڑے عرصہ تک میں بھی امام کے پیچھے (نماز میں) سورۂ فاتحہ پڑھتا رہا ہوں۔ آخر کار میں نے ایک رات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک روشن اور شاندار قصیدہ خود اپنی مدح میں پڑھ رہے تھے۔ اور اس قصیدہ سے یہ مضمون مستفاد ہوتا تھا کہ بے شمار اولیاء اللہ میرے مذہب میں ہو چکے ہیں۔ اسی وقت سے میں نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا۔

---

[1] حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محمد بن محمد بن محمود الحافظی اور لقب پارسا تھا حضرت خواجہ نقشبندؒ کے خلیفہ تھے۔ ولادت ۷۴۹ھ میں ہوئی ——— حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں ۲۴ ذی الحجہ ۸۲۲ھ کو وصال ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قریب جنت البقیع میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

۲۹۔ منہا

حصولِ اجازت کمال پر موقوف نہیں

کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کوئی کامل بزرگ کسی ناقص مرید کو طریقت کی تعلیم کی اجازت دیدیتا ہے اور اس ناقص شخص کے مریدین کے اجتماع کے ضمن میں اُس ناقص کا کام بھی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند (قدس سرہٗ) نے مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کو درجۂ کمال تک پہنچنے سے پیشتر ہی طریقت کی تعلیم کی اجازت مرحمت فرمادی تھی اور فرمایا تھا کہ "اے یعقوب! جو کچھ تجھے مجھ سے پہنچا ہے اسے لوگوں تک پہنچا"۔——
حالانکہ مولانا موصوف کا کام اس کے بعد خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہٗ کی خدمت میں سرانجام تک پہنچا۔ اسی لئے حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نفحات الانس میں مولانا کو اوّل خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں شمار کرتے ہیں پھر خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی طرف اُن کی نسبت فرماتے ہیں اور جب کوئی کامل بزرگ اپنے کسی مرید کو جو درجاتِ ولایت میں سے ایک درجہ کی استعداد رکھتا ہے، اس درجہ کے حاصل ہو جانے کے بعد طریقت کی تعلیم دینے کی اجازت دیدیتا ہے تو یہ اجازت بھی اسی قسم کی ہے۔ اور وہ مرید ایک طرح سے کامل ہے اور ایک طرح سے ناقص ہے۔ اور اس مرید کا حال بھی اسی طرح پر ہے جو درجاتِ ولایت میں سے دو درجوں یا تین درجوں کی استعداد رکھتا ہے، وہ بھی ایک لحاظ سے کامل ہے اور ایک لحاظ سے ناقص ہے۔ کیونکہ

نہایت النہایت (یعنی آخری نقطۂ کمال) تک پہنچنے سے پہلے تمام درجے ایک جہت سے کمال کہے جا سکتے ہیں اور دوسری جہت سے نقص بھی کہلا سکتے ہیں. اس کے باوجود شیخ کامل اپنے اس مرید کو اس کی استعداد کے مرتبہ کے حصول کے بعد طریقت کی تعلیم کی اجازت دیدیتا ہے۔ لہٰذا اجازت کمالِ مطلق (انتہائی کمال) پر موقوف نہ ہوئی۔ ۵۷

شبہہ کا ازالہ | جاننا چاہیئے کہ نقص اگرچہ اجازت کے منافی ہے لیکن جب کوئی خود کامل اور دوسروں کو کامل کرنے والی شخصیت کسی ناقص کو اپنا نائب بنا دیتی ہے اور اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ جان لیتی ہے تو اس نقص کا ضرر متعدی نہیں ہوا کرتا۔ اور تمام امور کی حقیقتوں کو اللہ سبحانہ ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

۳۰۔ منہا

یادداشت کے تین مدارج | یادداشت سے مراد، حضرتِ ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کا دوامِ حضور ہے۔ اور یہ بات کبھی کبھی ان لوگوں کو بھی جو مقامِ قلب پر فائز ہوتے ہیں جمعیتِ قلب کی وجہ سے خیال میں آجاتی ہے کیونکہ جو کچھ انسان کی مجموعی حیثیت میں پایا جاتا ہے وہ سب کچھ تنہا قلب میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگرچہ دونوں کے درمیان اجمال اور تفصیل کا فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا مرتبۂ قلب میں بھی ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کا حضور، بطورِ دوام ہی کے میسّر ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات محض یادداشت کی صورت ہے، یادداشت کی حقیقت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ

مشائخ نے جو اندراج النہایت فی البدایت (آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی) فرمایا ہے اس میں یادداشت کی اسی صورت کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔ یادداشت کی حقیقت تو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر حضرتِ ذاتِ حق سے مراد، مرتبۂ وجوب لیا جائے جس میں کہ ذات، تمام صفاتِ وجوبیہ کی جامع ہوتی ہے تو تمام امکانی مراتب کو طے کر لینے کے بعد محض اس مرتبہ کے شہود تک رسائی حاصل کر لینے کے ساتھ ہی یادداشت کا حصول ہو جائے گا اور تجلیاتِ صفاتی میں بھی یہ معنیٰ متحقق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں صفات کا پیشِ نظر رہنا ذاتِ حق تعالیٰ کے حضور کے منافی نہیں ہے۔ اور اگر حضرت ذاتِ حق تعالیٰ سے مراد، مجردِ احدیت کا مرتبہ لیا جائے جو تمام اسماء، صفات، نسبتوں اور تمام اعتبارات سے خالی ہے تو پھر یادداشت کا حصول، تمام مراتب اسمائی، صفاتی، نسبتی اور اعتباری کو طے کر لینے کے بعد ہی متصور ہوتا ہے۔ اور اس فقیر نے جہاں کہیں بھی بیان کیا ہے "یادداشت" کے لفظ کو آخری معنوں ہی میں استعمال کیا ہے۔ اگرچہ اس مرتبہ پر "حضور" (کے لفظ) کا اطلاق بھی مناسب نہیں ہے جیسا کہ اربابِ یادداشت پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مقام، حضور اور غیبت دونوں سے بلند ہے۔ "حضور" کا لفظ بولنے کے لئے صفات میں سے کسی ایک صفت کا پیشِ نظر رہنا ضروری ہے۔ جو کچھ لفظِ حضور کے مناسب ہے وہ یادداشت کی وہی تفسیر ہے جو معنیٔ دوم میں کی گئی ہے (یعنی

۵۵

ذاتِ حق سے مراد مرتبۂ وجوب لینا) اور اس مفروضہ کی بنا پر یادداشت کو انتہا کہنا شہود و حضور ہی کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ سے اوپر تو شہود و حضور کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد یا حیرت ہے یا جہل ہے یا معرفت ہے۔ (لیکن) وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت سمجھ رہے ہو۔ کیونکہ تمہاری وہ معرفت تو افعالی اور صفاتی معرفت ہی اور یہ مقام اسماء و صفات کی معرفت سے کتنی ہی منزلیں اوپر ہے۔ اور درود و سلام ہو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اطہر پر۔

۳۱ ۔ منہا

اس راہ کی تکمیل اور نہایت النہایت (معرفت	دس مقامات کو طے کئے بغیر نہایت النہایت تک رسائی ممکن نہیں

کے آخری نقطہ تک وصول دس مشہور مقامات کو طے کر لینے پر منحصر ہے۔ ان میں سے پہلا مقام "توبہ" ہے اور آخری مقام "رضا" ہے۔ مراتبِ کمال میں کوئی مقام بھی مقامِ رضا سے بڑھ کر نہیں ہے حتی کہ رویتِ اخرویہ بھی (اس سے بڑھ کر نہیں ہے)۔ مقامِ رضا کی حقیقت جیسا کہ چاہئے آخرت ہی میں ظہور پذیر ہوگی۔ دوسرے مقامات کا حصول آخرت میں نہیں ہوگا۔ وہاں "توبہ" کوئی معنی نہیں رکھتی "زہد" کی وہاں گنجائش نہیں۔ "توکل" کی وہاں کوئی صورت نہیں بنتی۔ "صبر" کا وہاں کوئی احتمال نہیں۔ ہاں "شکر" اگرچہ وہاں پایا جاتا ہے لیکن وہ شکر بھی رضا ہی کی ایک شاخ ہے، رضا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔

سوال: اگر لوگ دریافت کریں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک خود کامل اور دوسروں کو کامل بنانے والی ہستی میں دنیا کی طرف رغبت پائی جاتی ہے۔ اور ان کی بہت سی ایسی باتیں مشاہدہ میں آتی ہیں جو توکل کے منافی ہیں۔ بے صبری بھی جو صبر کے منافی ہے ان میں نظر آتی ہے۔ اور ناپسندیدگی بھی جو رضا کی ضد ہے ان میں پائی جاتی ہے۔ تو اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟۔

۵۹ جواب: اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ ان تمام مقامات کا حصول قلب اور روح کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور خاص الخاص لوگوں کے متعلق ان مقامات کا حصول نفسِ مطمئنہ میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن جہاں تک قالب اور جسم کا تعلق ہے وہ اس حقیقت سے خالی اور محروم ہی رہتا ہے۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ تیزی اور شدت ٹوٹ جاتی ہے۔

کسی شخص نے شبلیؒ[۱] سے دریافت کیا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ کی یہ فربہی تو محبت کے منافی ہے۔ شبلیؒ نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا

أَحَبَّ قَلْبِي وَمَا دَرَى بَدَنِي ۔۔ وَلَوْ دَرَى مَا أَقَامَ فِي السِّمَنِ[۲]

---

[۱] آپ کی کنیت ابوبکرؒ ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ پر اکثر سکر کا غلبہ رہتا تھا آخر عمر میں اس خیال سے کہ معلوم کب موت آجائے لا الہ الا اللہ کی جگہ صرف اللہ کہنے لگے تھے۔ آپ کی شان اتنی بلند تھی کہ خود آپ کے شیخ حضرت جنیدؒ آپ کو قوم کا تاج کہتے تھے۔ ۲۷ ذی الحجہ ۳۳۴ھ کو ۸۸ سال کی عمر میں بغداد میں انتقال فرمایا۔

[۲] ترجمہ: میرے قلب نے محبت کی لیکن میرے جسم کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ اگر بدن کو معلوم ہو جاتا تو وہ اس موٹاپے میں نہ رہتا۔

ترجمہ

دل اسیرِ عشق تھا لیکن بدن تھا بے خبر — ورنہ خود اپنے ہوا پے ٹوٹا ہے ہوتا حذر

لہٰذا اگر کسی کامل کے قالب (یعنی جسم) میں ان مقامات کے منافی چیزیں ظہور کریں تو اس بزرگ کے باطن کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان مقامات کے حصول میں یہ چیزیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں۔ اور غیر کامل (ناقص) آدمی میں ان مقامات کے نقائص اس کی کلیت (مجموعی حیثیت) میں، یعنی باطن اور ظاہر دونوں میں ظہور کرتے ہیں اور ایسا آدمی ظاہر و باطن میں دنیا کا راغب بن جاتا ہے۔ اور توکل کے خلاف چیزیں اس کی صورت اور حقیقت دونوں میں پائی جاتی ہیں اور اس کے قلب اور قالب (جسم) دونوں میں بے صبری اور اضطراب ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اور اس کے روح اور بدن دونوں میں کراہت (ناپسندیدگی) ظاہر ہونے لگتی ہے۔ یہی چیزیں ہیں جنھیں حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لئے حجابات بنا دیا ہے اور اکثر لوگوں کو ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رکھا ہے۔ اور ان چیزوں کو اولیاء کے اندر باقی رکھنے میں ایک دقیق حکمت ہے۔ اور وہ حکمت حق کا باطل سے ممتاز نہ ہونا ہے جو کہ اس دنیا کے لئے جو ابتلاء اور آزمائش کا مقام ہے لازمی ہے۔ اور اولیاء کے اندر ان چیزوں کو باقی رکھنے میں دوسری حکمت ان کی ترقی ہے اگرچہ یہ چیزیں ان میں محض صورت کی حیثیت سے پائی جاتی ہیں۔ اگر یہ چیزیں اولیاء سے بالکل ہی مرفوع ہو جائیں (یعنی ان میں نہ پائی جائیں) تو ان کی ترقی کا راستہ بند ہو جائے۔ اور وہ بھی ملائکہ کی طرح ایک ہی

مقام میں قید ہو کر رہ جائیں۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے اور آپؐ کی
آل پر کامل ترین اور مکمل ترین درودیں اور سلام ہوں۔

۳۲۔ منہا

اولیاء اللہ کے ظاہر و باطن کا فرق! بارِ الہا! یہ کیا چیز ہے جو تو نے اپنے اولیاء
کے سلسلے میں کر دی ہے کہ ان کا باطن تو خضرؑ کا آبِ زُلال (مقطر اور
صاف پانی) ہے کہ جس نے اس سے ایک قطرہ بھی چکھ لیا اُس نے
حیاتِ ابدی (دائمی زندگی) پالی۔ اور ان کا ظاہر، زہرِ قاتل ہے۔ جس نے
ان کے ظاہر کی طرف دیکھا وہ ابدی موت میں گرفتار ہو گیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں
کہ اُن کا باطن رحمت ہے اور ان کا ظاہر زحمت ہے۔ ان کے باطن کو دیکھنے
والا انہی میں شمار ہوتا ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا بدمذہب ہوتا ہے۔
بظاہر جَو کھانے والے ہیں لیکن حقیقت میں گیہوں بخشنے والے ہیں۔ بظاہر
تو عام انسانوں میں سے ہیں لیکن باطن میں خاص فرشتوں میں سے ہیں۔
ظاہری طور پہ تو زمین پر ہیں لیکن حقیقت میں آسمانوں پر بسیرا کرنے
والے ہیں۔ ان کے پاس بیٹھنے والے بدبختی سے نجات پالیتے ہیں اور
ان سے محبت رکھنے والے سعادت سے ہمکنار ہیں۔ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (یہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں۔ یاد رکھو،
اللہ کی جماعت کے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں) اور اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں
نازل ہوں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر۔

۳۳۔ منہا

اولیاء اللہ کی پوشیدگی کا سبب

حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اولیاء اللہ کو کچھ اس انداز سے پردے میں چھپایا ہوا ہے کہ ان کے ظاہر کو بھی ان کے باطن کے کمالات کی خبر نہیں ہوتی۔ ان کے سوا دوسرے لوگوں کو تو کیسے خبر ہو سکتی ہے۔ ان کے باطن کو جو نسبت کہ مرتبہ بے چونی (بے علتی) اور مرتبۂ بے چگونی (بے کیفی) سے حاصل ہو گئی ہے وہ بھی بے چون ہے۔ اور ان کا باطن چونکہ عالمِ امر سے ہے اس لئے اسے بھی اس بیچونی سے حصہ ملا ہے۔ اور ظاہر جو کہ سراسر چون ہے (یعنی گرفتارِ اسباب و علل ہے) وہ اس کی حقیقت کو کیا جان سکتا ہے بلکہ کچھ بعید نہیں کہ وہ انتہائی جہالت اور عدم مناسبت کی وجہ سے اس نسبت کے حاصل ہونے سے انکار کر دے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نسبت کے حاصل ہونے کا اعتراف کر لے لیکن یہ نہ سمجھ سکے کہ اس نسبت کا تعلق کس کی ذات سے ہے۔ بلکہ اکثر ایسا بھی ہوگا کہ وہ متعلقِ حقیقی (جس کے ساتھ حقیقت میں تعلق ہے) کی نفی ہی کر دیگا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ یہ نسبت بہت بلند ہے اور (اس کے مقابلے میں) ظاہر نہایت ہی پست چیز ہے۔ اور باطن خود بھی اس نسبت سے مغلوب ہے، اور وہ دید و دانش (دیکھنے اور سمجھنے) ہی سے چھٹکارا پا چکا ہے۔ وہ کیا جانے کہ وہ کیا رکھتا ہے اور کس کے ساتھ رکھتا ہے۔ لہٰذا ناچار سوائے اس کے کہ معرفت سے عجز کا اعتراف کیا جائے معرفت کی طرف راہ ہی نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے

ص۱۶۱

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے "العجز عن درك الادراك ادراك" (یعنی ادراک کو حاصل کرنے سے عاجزی ہی ادراک ہے) یہاں خود ادراک سے مراد وہ خصوصی نسبت ہے جس کے ادراک سے عجز ضروری ہے۔ کیونکہ صاحبِ ادراک مغلوب ہوتا ہے وہ اپنے ادراک کو نہیں جان سکتا۔ اور دوسرے لوگ بھی اس کے حال کو نہیں جانتے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

۳۴۔ منہا

بدعتِ اعتقادی کا نقصان ایک شخص صوفیوں کے لباس میں ہوتے ہوئے جو بدعتِ اعتقادی رکھنے میں مبتلا تھا، یہ فقیر اس کے بارے میں متردد تھا اتفاقاً (ایک روز میں کیا) دیکھتا ہوں کہ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم باجمعہم، جمع ہیں اور سب اس شخص کے حق میں متفق ہو کر فرما رہے ہیں کہ لَیْسَ مِنَّا (یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے)۔ اسی اثنا میں دل میں خیال آیا کہ ایک دوسرے شخص کے متعلق بھی جس کے حق میں یہ فقیر متردد تھا دریافت کرلوں۔ اس شخص کے بارے میں حضرات انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا کہ کَانَ مِنَّا (وہ شخص ہم میں سے تھا) ہم بداعتقادی سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اس کے بزرگ انبیاء کے طعن سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔

۳۵۔ منہا

متشابہات کی تاویل اس فقیر پر (کارکنانِ قضا و قدر نے) ظاہر فرمایا کہ

الفاظِ "قرب" اور "معیت" اور "احاطۂ حق" سبحانہ وتعالیٰ جو قرآن مجید میں واقع ہوئے ہیں منجملہ متشابہاتِ قرآنی کے ہیں جیسا کہ لفظ "ید" اور "وجہ" وغیرہ اور یہی حال لفظِ "اول" و "آخر" و "ظاہر" و "باطن" اور ان جیسے دوسرے الفاظ کا ہے۔ لہذا ہم حق سبحانہ وتعالیٰ کو قریب کہتے ہیں، لیکن ہم نہیں جانتے کہ قرب کیا چیز ہے۔ اسی طرح ہم اُسے "اول" کہتے ہیں، لیکن ہم نہیں جانتے کہ اول سے کیا مراد ہے۔ اور "قرب" اور "اولیت" کے جو معنی ہمارے علم و فہم کے احاطہ میں آتے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ اس سے منزّہ (پاک) اور برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف اور مشاہدہ میں سما سکتا ہے حق تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے، اور حق تعالیٰ کے قرب اور معیت کی جس کیفیت کو بعض خودساختہ صوفیوں نے کشف کے طور پر دریافت کیا ہے اور وہ اسی کشفی معنی کے لحاظ سے حق سبحانہ کو قریب اور ساتھ (مع) سمجھتے ہیں وہ مستحسن نہیں ہے۔ انھوں نے فرقۂ مجسّمہ (وہ فرقہ جو خدا کے لئے جسم ثابت کرتا ہے) کے مذہب میں قدم رکھ دیا ہے۔ اور جو کچھ بعض علما نے اس کی تاویل میں فرمایا ہے اور قرب سے مراد علمی قرب لے لیا ہے تو وہ اسی طرح پر ہے جیسا کہ انھوں نے ید کی تاویل قدرت سے کی ہے اور وجہ کی تاویل ذات سے کی ہے یہ ان لوگوں کے نزدیک جائز ہے جو تاویل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور ہم تو تاویل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس کی تاویل کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

م ۶۲

۳۶ ۔ منہا

اتباعِ رسولؐ | یہ فقیر کبھی تو نمازِ وتر شروعِ رات میں ادا کر لیتا تھا اور کبھی آخری رات میں ادا کرتا تھا۔ (کارکنانِ قضا و قدر) نے ایک رات مجھے دکھایا کہ نمازِ وتر کو دیر سے ادا کرنے کی صورت میں، جب نمازی سو جاتا ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ آخری رات میں وتر کی نماز ادا کرے گا تو اس کے نیک اعمال کو لکھنے والے فرشتے وتر کی نماز ادا کرنے کے وقت تک تمام رات نیکیاں اس کے نام پر لکھتے رہتے ہیں۔ پس جس قدر بھی وتر کی نماز کو تاخیر سے ادا کرے گا بہتر ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود اس فقیر کو تو وتر کی تعجیل اور تاخیر میں بجز سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی کے اور کوئی چیز منظور نہیں ہے۔ اور یہ فقیر کسی فضیلت کو بھی پیروی کے برابر نہیں سمجھتا۔ حضرت رسالت پناہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وتر کی نماز کبھی اول شب میں ادا فرمالیا کرتے تھے اور کبھی آخر شب میں۔ یہ فقیر اپنی سعادت اسی میں سمجھتا ہے کہ کسی بات میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا تشبہ حاصل ہو جائے۔ اگرچہ یہ تشبہ صرف صورت کے طور پر ہی ہو۔ لوگ بعض سنتوں کے سلسلے میں شب بیداری کی نیت اور اس جیسی باتوں کو دخل دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی کوتاہ اندیشی سے تعجب ہوتا ہے۔ ہم تو ہزار شب بیداریوں کو بھی پیروئ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نصف دانۂ جو کے عوض نہ خریدیں۔

۶۱ ہم ماہِ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لئے بیٹھے۔ دو سنتوں کو

جمع کرکے ہم نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے سوا کوئی دوسری نیت نہ کریں۔ کیونکہ ہمارا تبتّل اور انقطاع (دنیا سے الگ تھلگ ہونا) کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی) ایک پیروی حاصل ہو جائے تو ہم سو گرفتاریاں قبول کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے وسیلے کے بغیر ہمیں ہزار تبتّل اور انقطاع قبول نہیں ہیں۔

آنرا کہ درسرائے نگاریست فارغ ست از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

ترجمہ: موجود جس کے گھر میں ہو محبوب گلعذار حاجت نہیں ہے کچھ اُسے باغ و بہار کی

اللہ سبحانہ ہمیں آپ کی کمال متابعت عطا فرمائے۔ آپ پر اور آپ کی آل پر مکمل ترین اور کامل ترین درودیں اور سلام ہوں۔

۳۷۔ منہا

محبتِ ذاتی و محبتِ صفاتی کا فرق ایک مرتبہ کی بات ہے کہ میں درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس فقیر نے اپنی اس محبت کے متعلق جو آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے غلاموں کے ساتھ نسبت رکھتا ہے کچھ اس طرح کہدیا کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس درجہ غالب ہو گئی ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو بھی میں اس واسطہ سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ ربِّ محمدؐ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار) ہے۔ حاضرین میری اس بات سے حیرت میں رہ گئے۔ لیکن انھیں مخالفت کی مجال نہیں تھی۔ میری یہ بات حضرت رابعہ رح کی بات کے بالکل برعکس ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ میں نے آں سرورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں کہا تھا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت نے اس طرح غلبہ پالیا ہے کہ آپؐ کی محبت کے لئے جگہ ہی نہیں رہی۔ یہ دونوں باتیں اگرچہ سُکر کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے۔ انھوں نے وہ بات عین سُکر میں کہی تھی اور میں نے (سکر سے نکلنے کے بعد) ابتدائے صحو (ہوش آنے کے شروع) میں کہی ہے۔ ان کی بات مرتبۂ صفاتؔ میں ہے اور میری بات مرتبۂ ذات سے لوٹ آنے کے بعد ہے۔ کیونکہ مرتبۂ ذات تعالیٰ میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں ہے۔ تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں۔ وہاں تو سراسر حیرت ہے یا جہالت ہے بلکہ اس مرتبہ میں آدمی ذوق کے ساتھ محبت کی نفی کرتا ہے۔ کسی طرح بھی اپنے کو خدا کی محبت کے لائق نہیں سمجھتا۔ محبت اور معرفت صرف مرتبۂ صفات میں ہوتی ہے (مرتبۂ ذات میں نہیں ہوتی) پس جسے لوگوں نے محبتِ ذاتی کہا ہے اس سے مراد صرف ذاتِ احدیت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے ساتھ ذات کے کچھ اعتبارات بھی شامل ہوں۔ لہذا حضرت رابعہؒ کی وہ محبت مرتبۂ صفات میں ہے۔ اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات دل میں ڈالنے والے ہیں اور درود و سلام ہو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اطہر پر۔

۳۸۔ منہا

علمِ ظاہر پر علمِ باطن کی برتری اور آدابِ پیر و استاد۔

علم کی فضیلت، معلوم کے شرف اور رتبہ کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ معلوم

جسقدر اشرف ہوگا اس کا علم بھی اسی قدر بلند تر ہوگا۔ لہٰذا علمِ باطن جس کے ساتھ حضراتِ صوفیہ امتیاز رکھتے ہیں، علمِ ظاہر سے افضل ہوگا، جو علمائے ظواہر کا حصہ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ علمِ ظاہر کو علمِ حجامت اور حیاکت (بال بنانے اور کپڑا بننے کے علم) پر فضیلت ہوتی ہے۔ لہٰذا پیر کے آداب کی رعایت کہ جس سے علمِ باطن کو حاصل کرتے ہیں، اس استاد کے آداب کی رعایت سے کئی گنا زیادہ ہوگی جس سے کہ علمِ ظاہر کا استفادہ کرتے ہیں۔ اور اسی طرح علمِ ظاہر کے استاد کے آداب کی رعایت، اس استاد کے آداب کی رعایت سے کئی گنا زیادہ ہے جس سے بال بنانا اور کپڑا بننا سیکھتے ہیں۔ اور یہی تفاوت علمِ ظاہری کی تمام اصناف میں جاری ہے چنانچہ علمِ کلام اور فقہ کا استاد علمِ نحو و صرف کے استاد سے زیادہ اولیٰ اور زیادہ مقدم ہے۔ اور نحو و صرف کا استاد، علومِ فلسفہ کے استاد سے زیادہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ علومِ فلسفہ، علومِ معتبرہ میں داخل نہیں ہیں۔ اس کے اکثر مسائل بے سود اور لاحاصل ہیں اور بہت کم مسائل ہیں جنھیں انھوں نے کتبِ اسلامیہ سے اخذ کیا ہے اور ان میں تصرفات کر ڈالے ہیں، وہ بھی جہلِ مرکب سے خالی نہیں ہیں۔ کیونکہ اس مقام میں عقل کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ نبوت کا انداز عقلِ نظری کے انداز سے بالکل الگ چیز ہے۔

جاننا چاہئے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے اوپر ہوتے ہیں بلکہ پیر کے حقوق کو دوسروں کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں کر

۶۵ حضرتِ حق سبحانہ کے انعامات اور اس کے رسول علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے احسانات کے بعد پیر کے حقوق کا درجہ ہے۔ بلکہ سب کے پیر حقیقی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہیں۔ اگرچہ ظاہری پیدائش والدین سے ہوتی ہے، مگر معنوی پیدائش پیر ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ولادتِ صوری کی حیات تو چند روزہ ہے مگر ولادتِ معنوی کے لئے حیاتِ ابدی ہے۔ پیر ہی تو ہے جو اپنے قلب و روح سے معنوی گندگیوں کی صفائی کرتا ہے اور اس کے اندرونی حصوں کو پاک و صاف کرتا ہے اُن توجہات میں جو کہ بعض مریدوں کی نسبت واقع ہوتی ہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی باطنی آلائشوں کی تطہیر (پاک کرنے) میں ایک گونہ تلوّث (آلودگی) خود صاحبِ توجہ تک سرایت کر جاتا ہے اور اُسے ایک عرصے تک مکدر (گدلا) رکھتا ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلے سے لوگ خدائے عزوجل تک پہنچتے ہیں جو تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں سے بلند تر چیز ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلے سے نفسِ امارہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے خبیث واقع ہوا ہے، تزکیۂ حاصل کر لیتا اور پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اور امارگی سے اطمینان کے مقام تک پہنچتا ہے۔ اور جبلّی (طبعی) کفر سے اسلامِ حقیقی تک رسائی پاتا ہے ؏

گر بگویم شرح ایں بیحد شود

(ترجمہ) جو اس کی شرح کروں بے حساب ہو جائے

لہٰذا اگر پیر کسی مرید کو قبول کر لے تو اُسے یہ اپنی سعادت سمجھنی چاہئے

اور اگر وہ کسی مرید کو رد کردے تو اسے اپنی بدبختی شمار کرنی چاہیئے۔" ہم اس چیز سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔" حق سبحانہ کی رضا کو پیر کی رضا کے پسِ پردہ رکھا گیا ہے۔ جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی رضامندیوں میں گم نہ کرے حق سبحانہ کی رضامندیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ مرید کی سب سے بڑی آفت پیر کو آزار دینے میں ہے۔ ہر لغزش جو اس کے بعد ہو اس کا تدارک کر لینا ممکن ہے، لیکن آزارِ پیر کا تدارک کسی چیز سے بھی نہیں ہو سکتا۔ آزارِ پیر مرید کے لئے شقاوت اور بدبختی کی بنیاد ہے۔" اس سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ"۔ اعتقاداتِ اسلامیہ میں بڑا خلل اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں بڑا فتور اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے۔ احوال اور وجدانیات، جن کا تعلق ۶۶ باطن سے ہوتا ہے، ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اگر باوجود پیر کی آزار رسانی کے احوال کا کوئی اثر باقی رہ جائے تو اسے استدراج (اور مہلت) میں سے شمار کرنا چاہیئے۔ کہ آخر میں وہ لامحالہ خرابی ہی لائے گا اور سوائے نقصان کے اور کوئی نتیجہ نہیں دیگا۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۳۹۔ منہا

لطائفِ ستہ کے مراتب | قلب کا تعلق عالمِ امر سے ہے، اسے عالمِ خلق کی وابستگی اور شیفتگی عطا کر کے عالمِ خلق کی طرف نیچے اتارا گیا۔ اور اس مضغۂ گوشت کے ساتھ جو بائیں پہلو میں ہوتا ہے خصوصی تعلق عطا کر دیا گیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی بادشاہ کو ایک بھنگن کے ساتھ عشق پیدا ہو جائے اور اس عشق کی وجہ سے بھنگن کے گھر میں نزول فرمائے۔ اور روح جو

قلب سے لطیف تر ہے اصحابِ یمین (دائیں جانب والوں) میں سے ہے۔ اور تین لطیفے جو لطیفۂ روح سے اوپر ہیں وہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا (معاملات میں بہترین، درمیانی معاملہ ہوتا ہے) کے شرف سے بہرہ اندوز ہیں۔ لطیفہ جسقدر لطیف تر ہو اتنا ہی وہ وسط کے زیادہ مناسب ہے۔ لیکن اتنا ہے کہ لطیفۂ سِر اور لطیفۂ خفی، دونوں لطیفۂ اخفٰی کی ہر دو جانب واقع ہیں۔ ان میں سے ایک دائیں طرف واقع ہے اور دوسرا بائیں طرف۔ اور لطیفۂ نفس، جو اس کے قریب واقع ہے اور دماغ سے تعلق رکھتا ہے اور لطیفۂ قلب کی ترقی اس پر منحصر ہے کہ وہ روح کے مقام میں اور روح سے اوپر کے مقام میں رسائی حاصل کرے۔ اسی طرح روح اور اس سے اوپر والے لطیفوں کی ترقی بھی اس پر منحصر ہے کہ وہ اوپر کے مقامات میں رسائی حاصل کرلیں لیکن یہ رسائی شروع میں احوال کے طریقہ پر حاصل ہوتی ہے اور آخر میں مقام کے طور پر۔ اور نفس کی ترقی اس وقت ہوتی ہے جب وہ شروع میں بطور احوال اور آخر میں بطور مقام کے قلب کے مقام میں پہنچ جائے۔ اور آخر کار یہ چھ کے چھ لطیفے مقامِ اخفٰی میں پہنچ جاتے ہیں اور سب کے سب ایک ساتھ مل کر عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور لطیفۂ قالب کو خالی چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن یہ پرواز بھی ابتدا میں بطور احوال کے ہوتی ہے اور آخر میں بطور مقام کے۔ اور اس وقت مقامِ فنا حاصل ہو جاتا ہے۔

م ۶۷ **موت سے پہلے موت کا مطلب** اور جسے صوفیہ نے موت پیش از موت (مرنے سے پہلے ہی مر جانا) کہا ہے اس سے مراد لطیفۂ قالب سے انہی چھ لطیفوں

کی جدائی ہے۔ اور ان لطائف کی جدائی کے بعد بھی قالب میں حس و حرکت کے باقی رہنے کا راز دوسرے مقامات پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اسے وہیں ان مقامات میں تلاش کرنا چاہئے۔ یہ ورق تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا یہاں تو اشاروں کنایوں ہی میں باتیں ہو سکتی ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام لطیفے ایک مقام میں جمع ہو جائیں اور وہاں سے پرواز کریں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قلب اور روح دونوں مل کر یہ کام کرتے ہیں اور کبھی تینوں لطیفے اور کبھی چاروں لطیفے۔ لیکن جو کچھ پہلے مذکور ہوا ہے (یعنی ان چھ لطیفوں کا مل کر پرواز کرنا) وہ زیادہ مکمل اور اتم صورت ہے۔ اور یہ ولایتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کے علاوہ جو صورت ہے وہ بھی ولایت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اور یہ چھ کے چھ لطیفے جسم (قالب) سے جدائی اختیار کر لینے، اور مقامِ قدس تک رسائی حاصل کر لینے اور اس کے رنگ میں رنگے جانے کے بعد، اگر پھر قالب کی طرف لوٹ آئیں اور وہ سب سوائے محبت کے تعلق کے اور تعلق پیدا کرلیں تو وہ قالب کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اس اختلاط کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کرتے ہیں۔ اور مردہ کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ اسوقت وہ ایک خاص تجلی سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور از سرِ نو حیات کو پیدا کرتے، اور بقا باللہ کے مقام میں راسخ القدم ہو جاتے اور خدائی اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اگر انھیں وہ خلعت بخش کر دنیا کی طرف واپس کر دیں تو معاملہ دُنوّ (قربت) سے تَدَلّی

(نیچے اور دور ہو جانے) کے ساتھ انجام پائے گا (یعنی نزدیکی سے دوری میں جا رہیں گے) اور تکمیل کا مقدمہ پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر دنیا کی طرف واپس نہ کریں اور دُنُوّ (قربت) کے بعد تدلّی (پست و دور ہونا) حاصل نہ ہو سکے تو وہ اولیائے عُزلت سے ہو جائے گا اور طالبین کی تربیت اور ناقص لوگوں کی تکمیل اُس کے ہاتھ سے نہیں ہو سکے گی۔ یہ ہے گفتگو اشارہ اور کنایہ کے انداز میں ہدایت (آغاز) اور نہایت (انجام) کی۔ لیکن ان منزلوں کو قطع کئے بغیر اس کو سمجھ لینا ناممکن ہے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کو لازم جانے۔

۴۰۔ منہا

۶۸

کلامِ الٰہی حضرتِ حق سبحانہ وتعالٰی ازل سے ابد تک ایک ہی کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ یہ کلام ایسا ہے کہ اس کے ٹکڑے اور اجزاء نہیں کئے جا سکتے کیونکہ خاموشی اور گونگا پن اللہ تعالٰی کے حق میں محال ہے۔

کیا عجب ہے کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی آن (ساعت) رہتی ہو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کی ذات پر زمانہ جاری نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ایک آنِ واحد میں ایک بسیط (غیر مرکب) کلام کے سوا اور کیا واقع ہو سکتا ہے اور اُس کلامِ واحد سے، تعلقات کے متعدد ہونے کے اعتبار سے، کلام کی اس قدر قسمیں پیدا ہو گئی ہیں۔ مثلاً اگر اس کا تعلق ماٴمور (جسے حکم دیا جائے) کے ساتھ قائم ہو تو اس سے "اَمر" (حکم) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر منہی (جس سے ممانعت

فرمائی جائے) کے ساتھ ہو تو اس کا نام "نہی" (ممانعت) ہو جاتا ہے۔ اگر خبر دینے سے تعلق ہو تو "خبر" پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ اور آئندہ زمانے کے متعلق خبر دینا بہت سے لوگوں کو اشکال میں ڈال دیتا ہے اور انھیں دلالت کرنے والی چیز کا تقدم و تاخر مدلول (جس چیز پر دلالت کی جائے یعنی مراد) کے تقدم و تاخر کی طرف لیجاتا ہے۔ لیکن یہ کوئی اشکال نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ گذشتہ (ماضی) اور زمانہ آئندہ (مستقبل) دلالت کرنے والی چیزوں کی مخصوص صفات ہیں جو اس آن (گھڑی) کے انبساط (بسیط ہونے) کے لحاظ سے پیدا ہو گئی ہیں لیکن مدلول (جس چیز پر دلالت کی جائے یعنی مراد) کے مرتبہ میں چونکہ وہ آن (گھڑی) خود اپنی حالت پر ہے اور کسی قسم کا انبساط اس میں پیدا نہیں ہوا ہے لہذا اس مرتبہ میں گذشتہ اور آئندہ زمانوں کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ علمائے معقول (منطق و فلسفہ) نے کہا ہے کہ ایک ہی حقیقت (ماہیت) کے لئے وجودِ خارجی کے اعتبار سے لوازمات علیحدہ ہوتے ہیں اور وجودِ ذہنی کے اعتبار سے صفات جدا ہوتی ہیں۔ جبکہ ایک ہی چیز میں وجود اور شہودیت (مرتبہ وجود) کے مختلف ہونے کے اعتبار سے صفات اور لوازم کا متبائن اور متغائر ہونا (جدا جدا اور مختلف ہونا) جائز ہو سکتا ہے تو دال (دلالت کرنے والی چیز) اور مدلول (جس پر دلالت کی جائے) میں جو در حقیقت ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں (یہ تبائن و تغائر) بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی آن (گھڑی) ہے

تو یہ تعبیر کی تنگدامانی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ وہاں تو درحقیقت اس کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تو زمانہ کی طرح وہ (یعنی آنِ واحد کہنا) بھی گراں ہے۔

دائرۂ امکان سے باہر ازل اور ابد متحد ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ممکن جب قربِ الٰہی جل سلطانہٗ کے مقامات میں دائرۂ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے تو وہ ازل اور ابد کو متحد پاتا ہے حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے شبِ معراج میں، مقاماتِ عروج کے اندر حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں پایا تھا اور طوفانِ نوحؑ بھی موجود تھا علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور اہلِ بہشت کو بہشت میں دیکھا تھا۔ اور دوزخیوں کو دوزخ میں۔ اور بہشت میں داخل ہونے کے وقت سے پانچ سو سال کے بعد، جو (خدا کے ہاں کے حساب سے) آدھا دن ہوتا ہے، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ جو دولت مند صحابہ میں سے تھے علیہم الرضوان، بہشت میں آئے تھے اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دیر میں آنے کی وجہ دریافت فرمائی تھی اور انھوں نے اپنا دشوار گذار راستوں اور آزمائشوں کا حال سنایا تھا۔ یہ سب کچھ ایک آن (گھڑی) ہی کے انداز میں مشہود ہوا تھا۔ اس میں گذشتہ اور آئندہ زمانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس فقیر کو بھی اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے سے بعض اوقات یہ حالت پیش آئی ہے۔ اور میں نے ملائکہ کو عینِ سجود کی حالت میں پایا ہے جو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو کر رہے تھے، کہ ابتک انھوں نے سجدہ سے سر بھی نہیں اٹھایا تھا۔ اور ملائکہ علیتین کو جنھیں سجدہ کا حکم

م ۶۹

نہیں دیا گیا تھا اُن سجدہ کرنے والے فرشتوں سے الگ دیکھا کہ وہ اپنے مشہود (جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے) میں فنا اور غرق ہیں۔ اور وہ تمام حالات جن کا آخرت میں وعدہ فرمایا گیا ہے، وہ سب اسی آن (گھڑی) میں دکھائی دیئے۔ چونکہ اس واقعہ پر ایک مدت گذر گئی ہے۔ اس لئے میں نے احوالِ آخرت کی تفصیل بیان نہیں کی۔ کیونکہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں رہا ہے۔

معراجِ نبویؐ اور عروجِ اولیاء میں بڑا فرق ہے لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ حالات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور روح دونوں کو پیش آئے تھے اور جو مشاہدات ہوئے تھے وہ بصارت اور بصیرت دونوں سے ہوئے تھے۔ لیکن دوسرے لوگوں کو، جو (بہر حال) طفیلی ہیں، اگر یہ حالت بطورِ تبعیت کے پیش آتی ہے تو وہ صرف روح تک ہی محدود رہتی ہے اور بصیرت کے ساتھ مخصوص ہوا کرتی ہے۔ (جسم اور ظاہری آنکھوں کے ساتھ نہیں) ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم | ایں بس کہ رسد ز دور بانگِ جرسم

(ترجمہ) وہ ہے جس قافلے میں جانتا ہوں میں نہ پہنچوں گا | یہی کافی ہے آوازِ جرس تو مجھ تک آتی ہے

علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

۴۱ ـ منہا

تکوین، حقیقی صفات میں سے ہے تکوین، واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی حقیقی صفات میں سے ایک مستقل صفت ہے۔ اشاعرہ (امام ابوالحسن اشعری پیرو)

تکوین کو صفاتِ اضافیہ میں سے شمار کرتے ہیں اور وہ قدرت اور ارادہ ہی کو ایجادِ عالم (دنیا کو وجود بخشنے) میں کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ قدرت اور ارادہ کے علاوہ تکوین ایک علیحدہ حقیقی صفت ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ "قدرت" کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فعل و ترک یعنی کسی کام کا کرنا اور اسے چھوڑ دینا، دونوں باتیں صحیح ہوں۔ اور "ارادہ" کے معنی یہ ہیں کہ قدرت کی ان دونوں جہتوں، یعنی فعل اور ترک میں سے کسی ایک جہت کو مخصوص اور متعین کر لیا جائے۔ لہٰذا اس طرح قدرت کا درجہ، ارادہ کے درجہ پر مقدم ہوتا ہے۔ اور "تکوین" جسے ہم صفاتِ حقیقیہ میں سے سمجھتے ہیں، اس کا درجہ قدرت اور ارادہ کے درجوں کے بعد آتا ہے۔ اس صفت کا کام، اس خاص کردہ جہت کو وجود میں لے آتا ہے۔ پس قدرت تو فعل (کرنے) کی جہت کو درست قرار دینے والی صفت (یعنی مُصَحِّحِ فعل) ہے اور ارادہ، فعل (کرنے) کی جہت کو خاص کرنے والی صفت (مُخَصِّصِ فعل) ہے۔ اور تکوین، اُسے وجود میں لانے والی ہے۔ لہٰذا تکوین کی صفت کو مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس کی وہی صورت ہے جو استطاعت مع الفعل کی ہوتی ہے جسے علماء اہلِ سنت نے بندوں میں ثابت کیا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ استطاعت ثبوتِ قدرت کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ بلکہ ارادہ کے تعلق کے بھی بعد ہوتی ہے۔ اور وجود بخشی کا تحقق (ثبوت) اسی استطاعت کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی فعل کی جہت کو ضروری قرار دیتی ہے اور اس کے بالمقابل ترک

کی جہت وہاں مفقود ہے۔ تکوین کی صفت کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ وجود بخشی اس کے ساتھ بطورِ ایجاب یعنی واجب اور ضروری قرار دینے کے ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایجاب (ضروری قرار دینا) واجب تعالیٰ کی ذات میں کوئی ضرر نہیں دیتا کیونکہ اس کا ثبوت صفتِ قدرت اور صفتِ ارادہ کے متحقق ہو جانے کے بعد ہوتا ہے جبکہ قدرت کے معنی فعل (کرنے) اور ترک (چھوڑ دینے) کو صحت اور درستگی بخشنے کے ہیں۔ اور ارادہ کے معنی، قدرت کی کسی ایک جہت یعنی فعل یا ترک کی جہت کو خاص کر لینے کے ہیں۔ برخلاف اس کے جو حکمائے فلسفہ نے کہا ہے۔ اور انھوں نے شرطیۂ اولیٰ (صحتِ فعل یعنی اگر چاہے تو پیدا کر سکتا ہے) کو واجب الصدق خیال کر لیا ہے اور شرطیۂ ثانیہ (صحتِ ترک یعنی اگر نہ چاہے تو نہیں پیدا کر سکتا) کو ممتنع الصدق قرار دے لیا ہے اور صفتِ ارادہ کی نفی کر دی ہے۔ اس قول کے مطابق ایجاب صریح لازم آتا ہے تَعَالَی اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بلند تر ہے)۔

وہ ایجاب جو ارادہ کے تعلق اور دو زیرِ قدرت جہتوں میں سے ایک جہت کی تخصیص کے بعد پیدا ہوتا ہے وہ اختیار کو مستلزم (لازم کرنے والا) ہے بلکہ اختیار کی تاکید کرنے والا ہے۔ اس کی نفی کرنے والا نہیں ہے۔ اور صاحبِ فتوحات کا کشف بھی حکماء کی رائے کے موافق ہی واقع ہوا ہے۔ وہ قدرت کے سلسلہ میں شرطیۂ اولیٰ کو واجب الصدق سمجھے

ہیں اور ثانی کو ممتنع الصدق ۔ یہ تو ایجاب (لازم قرار دینے) کو تسلیم کر لینا ہوا۔ اس کے نتیجہ میں ارادہ بالکل ہی بیکار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دو برابر کی جہتوں میں سے ایک جہت کو خاص کر لینا یہاں پایا ہی نہیں جاتا ۔ اور اگر صفتِ تکوین میں اس مضمون (یعنی ایجاب) کا اثبات کریں تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ وہ اس ایجاب کے شائبہ سے مبرّا اور پاک ہے۔ یہ بہت ہی باریک بینی کا فرق ہے جس کو مجھ سے پہلے کسی نے بیان کرنے کی کم ہی سبقت کی ہے۔ علمائے ماتریدیہ نے بھی اگرچہ اس صفت (یعنی تکوین) کا اثبات فرمایا ہے لیکن وہ بھی اس باریکئ نظر کی طرف نہیں گئے ہیں۔ انھیں (ماتریدیہ کو) بلند درجہ سنتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام والتحیہ کی پیروی نے ہی .... تمام متکلمین میں اس معرفت کے ساتھ ممتاز بنا دیا ہے۔ اور یہ حقیر بھی انہی اکابر کے خوشہ چینوں میں سے ہے ۔ اللہ سبحانہ ہمیں ان کے درست اور حق عقائد پر سید المرسلین علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کے طفیل میں ثابت قدم رکھے۔

۴۲ ۔ منہا

رؤیتِ باری تعالیٰ | آخرت میں مؤمنوں کے لئے خدائے عزوجل کا دیدار ہونا، حق ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ سوائے اہل السنت والجماعت کے اسلامی فرقوں اور حکمائے فلاسفہ میں سے کوئی شخص بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے ان کے انکار کی وجہ، غائب کو حاضر پر قیاس کر لینا ہے، جو بہر حال فاسد

غلط ہے۔ نظر آنے والی ہستی جبکہ بے چون اور بے چگون ہوگی جو رؤیت (دیدار) اس سے متعلق ہوگی وہ بھی بے چون ہی ہوگی۔ اس پر ایمان لانا چاہیے مگر اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہونا چاہیے (کہ وہ کس طرح اور کیونکر ہوگی)۔ قدرت نے اس راز کو آج بھی خواص اولیاء پر ظاہر فرما دیا ہے۔ (جو کچھ انھیں مشاہدہ ہوتا ہے، وہ) اگرچہ رؤیت (دیدارِ حق) نہیں ہے لیکن وہ بے رؤیت بھی نہیں ہے۔ (یہ کیفیت ہوتی ہے کہ) گویا کہ تم ذاتِ حق تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ کل (قیامت کے دن) تمام مؤمن حق سبحانہ وتعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے ہی دیکھیں گے۔ لیکن ادراک نہیں کر سکیں گے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکینگی) وہ صرف دو چیزیں معلوم کر سکیں گے۔ ایک تو اس بات کا یقینی علم کہ وہ دیکھ رہے ہیں اور دوسرے وہ لذت جو رؤیت پر مرتب ہوتی ہے۔ ان دو چیزوں کے علاوہ باقی جسقدر رؤیت کے لوازم ہیں، وہ سب کے سب مفقود ہوں گے۔ یہ مسئلہ، مسائلِ کلام میں سب سے باریک تر اور مشکل تر ہے۔ عقل کا اندازا سے ثابت کرنے اور اس کی صورت کشی کرنے میں عاجز ہے۔ جو علماء اور صوفیہ، انبیاء کی پیروی کرنے والے ہیں انھوں نے اپنے نورِ فراست سے جو انوارِ نبوت ہی سے مقتبس (حاصل کردہ) ہے، اسے دریافت کیا ہے۔ ایسے ہی علمِ کلام کے اور بھی دوسرے بہت سے مسائل ہیں جن کو ثابت کرنے سے عقل عاجز اور حیران رہ جاتی ہے۔ علمائے اہلسنت کو تو صرف نورِ فراست ہی حاصل ہے لیکن صوفیہ کو نورِ فراست تو حاصل

ہے ہی مگر اس کے ساتھ ہی ان کو کشف اور شہود بھی حاصل ہے۔

کشف اور فراست میں فرق کشف اور فراست کے درمیان ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ حدسیات (اندازہ اور تخمینہ سے متعلق چیزوں) اور حسیات میں ہے۔ فراست، نظریات (دلیل سے تعلق رکھنے والی چیزوں) کو حدسیات بنا دیتی ہے اور کشف انھیں حسیات بنا دیتا ہے۔ وہ تمام مسائل جن کے اہل سنت قائل ہیں اور ان کے مخالفین جنھوں نے اپنے اوپر عقلی طریقہ کو لازم کر رکھا ہے، ان مسائل کے منکر ہیں، وہ سب اسی قسم کے ہیں کہ وہ سب نورِ فراست سے معلوم ہوئے ہیں اور کشفِ صحیح سے مشاہدہ میں آگئے ہیں۔ اگر ان مسائل کو بیان کرنے میں کہیں کوئی وضاحت کی جائے تو اس سے مقصود محض اس کی صورت کشی اور تنبیہ ہوتی ہے۔ نظر (فکر) اور دلیل کے ساتھ ان کو ثابت کرنا نہیں ہوتا، کیونکہ عقل کی فکر و نظر ان کے اثبات اور صورت کشی میں محض نابینا ہے۔

ان علماء پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے جو ان مسائل کے سلسلے میں خود کو مقامِ استدلال میں لا کھڑا کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ دلائل سے ان کا اثبات کر دیں اور مخالفین پر حجت تمام کر دیں۔ مگر یہ بات میسر نہیں آتی اور تکمیل کو بھی نہیں پہنچتی۔ مخالفین یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جس طرح ان کے استدلالات کھوٹے، کمزور اور ناقص ہیں اسی طرح ان کے مسائل بھی غلط، کمزور اور ناقص ہوں گے۔ مثلاً علمائے اہلِ سنت نے استطاعت مع الفعل (فعل کے ساتھ طاقت بھی رکھنا) کا اثبات کیا ہے۔ یہ مسئلہ

اُن حق اور صحیح مسائل میں سے ہے جو نورِ فراست اور کشفِ صحیح سے معلوم ہوئے ہیں۔ لیکن جو دلائل وہ اس کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں وہ بالکل ہی ناکارہ اور ناقص ہیں۔ اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل وہ پیش کرتے ہیں، ان میں سب سے قوی دلیل دو زمانوں میں اعراض کا باقی نہ رہنا ہے۔ کیونکہ اگر عرض باقی رہ جاتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ عرض خود عرض ہی کے ساتھ قیام پذیر ہو۔ حالانکہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور چونکہ مخالفین نے اس دلیل کو ناقص اور ناکارہ سمجھا ہے۔ لہٰذا انھوں نے یقین کرلیا کہ خود وہ مسئلہ بھی ایسا ہی ناقص ہے۔ انھوں نے یہ بات نہیں سمجھی کہ اس مسئلہ میں اور اس جیسے دوسرے مسائل میں ان کا رہنما نورِ فراست ہے جو انوارِ نبوت سے مقتبس (لیا گیا) ہے۔ لیکن یہ خود ہماری کوتاہی ہے کہ ہم حدسی (اندازہ و تخمینہ سے متعلق چیزوں) اور بدیہی باتوں کو مخالفین کی نگاہ میں نظری بنا کر پیش کرتے ہیں اور تکلفات کے ساتھ ان کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ ہماری حدسی اور بدیہی چیزیں مخالفین پر حجت نہیں ہوں گی، تو نہ ہوا کریں۔ ہم پر سوائے (واضح طور پر) بتا دینے اور تبلیغ کردینے کے اور کوئی چیز فرض و لازم نہیں کی گئی۔ جو آدمی مسلمانوں جیسا حسنِ عقیدت رکھتا ہے وہ بے اختیار اسے قبول کرلے گا اور جو شخص بے نصیب واقع ہوا ہے سوائے انکار کے اس میں اور کسی بات کا اضافہ نہیں ہو سکے گا۔

ماتریدیہ کی فضیلت علمائے اہلِ سنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور[1] ماتریدی (رحمۃ اللہ علیہ) کا طریقہ کس قدر موزوں اور مناسب ہے کہ انھوں نے صرف مقاصد کو بیان کرنے پر اکتفا فرمایا ہے۔ فلسفیانہ باریک بینیوں سے انھوں نے یکسوئی ہی اختیار فرمائی ہے۔ فلسفیانہ انداز پر نظر و استدلال کا طریقہ، علمائے اہلِ سنت میں شیخ ابو الحسن[2] اشعری (رحمۃ اللہ علیہ) سے شروع ہوا ہے۔ ان کی یہ خواہش رہی ہے کہ اہل سنت کے اعتقادات کو فلسفیانہ استدلال سے تکمیل تک پہنچا دیں۔ اور یہ بات بڑی دشوار ہے اور خصوصیت کے ساتھ مخالفین کو دلیر بناتا ہے کہ وہ اکابرِ دین پر زبانِ طعن دراز کریں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ سلف کے طریقہ کو بھی چھوڑ دینا ہے کہ اللہ سبحانہ ہمیں اہلِ حق کے معتقدات پر، جو انوارِ نبوت سے مستفاد ہیں، ثابت قدم رکھے علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا۔

---

[1] شیخ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الحنفی المتکلم الماتریدی السمرقندیؒ فرقۂ ماتریدیہ کے سربراہ تھے۔ ماتریدی فرقہ سنی راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو معتزلہ اور دیگر آزاد خیال فرقوں کے مقابلے میں وجود میں آیا تھا۔ شیخ ابو منصورؒ، الاشعری کے ہمعصر تھے ۳۳۳ھ میں سمرقند میں وفات پائی۔ آپ سے فقہ حنفی کے لوگ زیادہ متاثر ہوئے۔

[2] امام ابو الحسن علی اشعریؒ فرقۂ اشاعرہ کے بانی اور علمِ کلام کے موجد تھے۔ ۲۶۰ھ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ ۴۰ سال کی عمر تک آپ فرقۂ معتزلہ کے سرگرم رکن رہے۔ بعد میں شافعی فقہ کی حدود میں رہ کر آپ نے دینی مسائل کو فلسفیانہ استدلال کے ساتھ مستحکم کیا۔ تقریباً تین سو کتابیں لکھیں۔ آپ کے ماننے والوں میں بڑے بڑے امام پیدا ہوئے۔ مثلاً باقلانی، ابن فورک، اسفرائنی، القشیری، جوینی، اور امام غزالی ہیں۔ ۳۲۴ھ بغداد میں آپ کا وصال ہوا۔

۴۳ ۔ منہا

یقین کے درجہ کا حصول بمصداق آیۂ کریمہ "وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور بہر حال اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کردیا کرو)۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا اظہار کرتا ہوں کہ اس فقیر کو علمِ کلام سے تعلق رکھنے والے اعتقادات کی نسبت جو اہلِ حق یعنی اہل سنت والجماعت کی رایوں کے موافق واقع ہوئے ہیں ایسا یقین حاصل ہو چکا ہے کہ اس کے مقابلہ میں وہ یقین بھی جو مجھے ...... واضح ترین بدیہیات کی نسبت حاصل ہے، ظنیات بلکہ وہمیات کا حکم رکھتا ہے۔ مثلاً جب میں اس یقین کا جو مجھے علمِ کلام کے ہر ایک مسئلہ کی نسبت حاصل ہے اس یقین کے ساتھ موازنہ کرتا ہوں جو مجھے وجودِ آفتاب کی نسبت حاصل ہے تو پہلے یقین کی بہ نسبت اس دوسرے یقین کے لئے، یقین کا لفظ بولتے ہوئے بھی مجھے افسوس ہوتا ہے۔ اربابِ عقول اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں؛ بلکہ یقین ہے کہ وہ ہرگز قبول نہیں کرینگے۔ کیونکہ یہ مبحث عقل کے اندازِ نظر سے بالکل الگ ہے۔ عقل ظاہر بیں کے لئے اس مقام سے سوائے انکار کرنے کے اور کوئی چارا ہی نہیں ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یقین کرنا قلب کا کام ہے۔ اور وہ یقین جو قلب کو مثلاً آفتاب کے وجود کے متعلق حاصل ہوتا ہے وہ حواس کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ حواس جاسوسوں کا حکم رکھتے ہیں (جو اِدھر اُدھر سے معلومات حاصل کر کے قلب تک پہنچاتے ہیں) اور وہ یقین جو علم کلام کے کسی ایک مسئلہ کے متعلق قلب کو

حاصل ہوتا ہے وہ قطعاً براہِ راست اور بغیر کسی حواس کے توسط کے ہے جسے اس نے بطور الہام کے بارگاہِ وہاب جلّ وعلاؔ سے بغیر کسی واسطے کے خود حاصل اور اخذ کیا ہے۔ لہٰذا یقینِ اول کا مرتبہ علم الیقین کا ہوتا ہے اور علمِ ثانی کا مرتبہ عین الیقین کا ہوتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ترجمہ:۔ دیکھے ہوئے کے مثل ہو کیسے سنا ہوا

۴۴۔ منہا

فنا بر ارادہ | جب طالبِ (حقیقت) کے سینہ کا میدان، محض فضلِ خداوندی جل سلطانہ سے تمام مرادوں اور آرزوؤں سے خالی ہو جاتا ہے اور اُسے حق سبحانہ کے سوا کسی دوسری چیز کی طلب نہیں رہتی، تو اس وقت اُسے وہ کچھ میسر آجاتا ہے جو اس کی پیدائش سے مقصود تھا اور وہ بندگی کی حقیقت کو بجا لاتا ہے۔ اس کے بعد اگر قدرت کا منشا ہوتا ہے تو اسے ناقص لوگوں کی تربیت کے لئے (اس عالم کی طرف) واپس کر دیتے ہیں اور (حق تعالیٰ) اپنے پاس سے اُسے ایک ارادہ عنایت کرتے اور ایک اختیار عطا فرماتے ہیں کہ وہ قولی اور فعلی تصرفات میں مختار اور مجاز (اجازت یافتہ) ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک اذن یافتہ غلام (جسے اس کے آقا نے تصرفات کرنے کا حق عطا فرما دیا ہو) مختار اور اجازت یافتہ ہوتا ہے۔ اس مقام میں جو کہ خدائی اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ

ہو جانے کا مقام ہے، صاحبِ ارادہ جو کچھ چاہتا ہے دوسروں کے لئے چاہتا
ہے اور دوسروں کی مصلحتیں ہی اس کے پیشِ نظر رہتی ہیں، نہ کہ اپنے
نفس کی مصلحتیں۔ (بعینہ اسی طرح) جیسا کہ واجب تعالیٰ کے ارادہ کی
حالت ہوتی ہے۔ بلکہ بلند ترین مثال ہونا تو اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ثابت ہے۔

اور قطعاً ضروری نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں کہ یہ صاحبِ ارادہ جو کچھ
چاہے وہ وقوع میں بھی آجائے۔ کیونکہ ایسا سمجھنا شرک ہے اور بندگی اس کو
برداشت نہیں کر سکتی۔ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ و
علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی فرما دیا ہے کہ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ
مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (یعنی آپ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دے سکتے جن کو آپ چاہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے) (۲۸:۵۶)
تو جب سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارادہ توقف میں پڑ سکتا ہے تو
دوسروں کی وہاں کیا مجال ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس
صاحبِ ارادہ کی تمام مرادیں (جن کا وہ ارادہ کرے) حق تعالیٰ و تقدس
کی مرضی کے مطابق ہوں۔ ورنہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات
کے بعض اقوال و افعال پر حق سبحانہ کی طرف سے اعتراض نازل نہ ہوتا۔
جیسا کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے، مَا کَانَ لِنَبِیٍّ (الآیۃ) (نبیؐ کے لئے یہ مناسب
نہیں تھا) اور اس سے معافی عطا فرمانے کی بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی جب کہ
حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ (خدا نے آپؐ کو معاف فرما دیا)
کیونکہ معافی کا تصور تو تقصیرات اور کوتاہیوں ہی میں ہو سکتا ہے۔ اس کے
ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ حق جل وعلا کی تمام مرادات بھی یعنی جن کا وہ طے

ارادہ فرمائے حق سبحانہ کی مرضیات نہیں ہوا کرتیں۔ مثلاً کفر اور معاصی (کہ ان کا ارادہ تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں، ورنہ تو ان کا وجود ہو سکتا اور نہ ہی بندوں سے ان کا صدور ہو سکتا، لیکن یہ چیزیں خود حق تعالیٰ کی مرضیات میں سے نہیں ہوتیں وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کفر و انکار کو پسند نہیں فرماتا) لہٰذا جبکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی مرضیات کے خلاف ہو سکتا ہے تو صاحب ارادہ بندہ کا ارادہ بھی مرضیٔ حق سبحانہ کے خلاف ہو سکتا ہے۔ مترجم)۔

۴۵ ۔ منہا

کلام اللہ کی رہنمائی اس کام (کارِ سلوک) میں میرا رہنما کلام اللہ ہے اور میرا پیر (شیخ) اس معاملہ میں قرآن مجید ہے۔ اگر قرآن کریم کی رہنمائی نہ ہوتی تو معبودِ برحق کی عبادت کی جانب کوئی راہ بھی نہ کھل سکتی۔ اس راہ میں ہر لطیف اور لطیف ترچیز "اَنَا اللّٰہُ" (میں ہی خدا ہوں) کی صدائیں لگاتی ہے اور راستے پر چلنے والے کو اپنی پرستش میں گرفتار کر لیتی ہے۔ اگر وہ چیز "چوں" ہے تو اپنے آپ کو "بے چوں ہونے" کی صورت میں ظاہر کرتی ہے۔ اور اگر "تشبیہ" ہے تو اپنے آپ کو "تنزیہہ" کی ہیئت میں جلوہ گر بناتی ہے۔ یہاں امکان، وجوب کے ساتھ ملا ہوا ہے اور حدوث (حادث ہونا) قِدَم (قدیم ہونے) کے ساتھ خلط ملط ہے۔ اگر باطل ہے تو وہ حق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر گمراہی ہے تو وہ ہدایت کی شکل میں نمایاں ہے۔ بیچارہ سالک ایک اندھے مسافر کا نمونہ بن جاتا ہے

کہ ہر ایک کی طرف هٰذَا رَبِّیْ (یہی میرا رب ہے) کہتا ہوا متوجہ ہوجاتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ خود اپنی تعریف خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا) کے الفاظ سے فرماتا ہے اور اپنی شان میں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (مشرق اور مغرب کا پروردگار) فرماتا ہے۔ عروج کے وقت جب ان صفات کو ان خیالی معبودوں پر پیش کیا گیا تو بے اختیار ان سب نے (ان اوصاف پر منطبق ہونے سے) انکار کر دیا اور وہ ختم ہوتے چلے گئے۔ لامحالہ اس فقیر نے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (میں غروب ہوجانے اور غائب ہوجانے والوں کو پسند نہیں کرتا) کہتے ہوئے ان سب (خیالی معبودوں) سے منہ موڑا۔ اور ذات واجب الوجود کے سوا کسی کو بھی اپنا قبلۂ توجہ نہیں بنایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ (اسی اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور اگر خدا ہمیں ہدایت نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہیں پاسکتے تھے بیشک ہمارے پروردگار کے تمام رسول حق بات لیکر آچکے ہیں۔)

۴۶ ۔ منہا

حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے عقیدت

ہم چار آدمی اپنے خواجہ (حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں ایسے تھے کہ لوگوں کی نگاہوں میں باقی تمام دوستوں میں ہمیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ حضرت خواجہ (شیخ اور پیر صاحب) کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا

اعتقاد علیحدہ تھا اور معاملہ بھی جدا تھا۔ یہ فقیر تو یقین کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ اس قسم کی صحبت اور یکجائی اور اس طرح کی تربیت اور ہدایت آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے زمانہ کے بعد سے، کبھی بھی کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتا تھا کہ اگرچہ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے شرفِ صحبت سے مشرف نہیں ہو سکا، تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ اور ہمارے حضرتِ خواجہؒ ان دوسرے تین دوستوں کے متعلق یوں فرمایا کرتے تھے کہ "فلاں آدمی تو مجھے صاحبِ تکمیل سمجھتا ہے لیکن صاحبِ ارشاد نہیں سمجھتا۔ اور اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل سے زیادہ ہوتا ہے"۔ اور فلاں آدمی "ہم سے کوئی سروکار نہیں رکھتا"۔ اور اس تیسرے کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ "وہ ہماری نسبت انکار رکھتا ہے"۔ چنانچہ ہم میں سے ہر ایک کو اس کے اعتقاد کے اندازہ کے مطابق ہی حصہ ملا۔

شیخ کی محبت میں غلو نہیں کرنا چاہئے۔

جاننا چاہئے کہ مرید کا اپنے پیر کے افضل اور اکمل ہونے کے متعلق اعتقاد، محبت کے ثمرات اور اس مناسبت کے نتائج میں سے ہوتا ہے جو افادہ (فائدہ پہنچانے) اور استفادہ (فائدہ حاصل کرنے) کا سبب بنتی ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنے پیر کو ان حضرات پر فضیلت نہ دے جن کی بزرگی اور عظمت شریعت میں مقرر ہو چکی ہے۔ کیونکہ یہ چیز محبت میں افراط کا باعث

ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات مذموم ہے۔ فرقہ شیعہ کی خرابی اہلِ بیت کے ساتھ
اسی افراطِ محبت کی وجہ سے ہے، اور نصاریٰ نے بھی اسی افراطِ محبت
کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا
بنا دیا ہے اور اس کی وجہ سے ابدی خسارہ میں پڑ گئے ہیں۔ لیکن اگر ان
حضرات کے علاوہ (جن کی فضیلت شریعت سے ثابت ہے) دوسرے
لوگوں پر (اپنے شیخ کو) فضیلت دے تو یہ جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب
ہے۔ اور یہ فضیلت دینا کچھ مرید کے اپنے اختیار سے نہیں ہوتا۔ بلکہ
اگر مرید صاحبِ استعداد ہے تو بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا
ہے، اور وہ اس کے وسیلے سے پیر کے کمالات کا اکتساب کرتا ہے۔ اگر
یہ فضیلت دینا خود مرید کے اپنے اختیار سے ہو اور وہ تکلف کے ساتھ
اس اعتقاد کو پیدا کرے تو یہ جائز نہیں ہے اور نہ کوئی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔

۴۷۔ منہا

ذکرِ نفی و اثبات کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ساتھ نفی و اثبات
میں سب سے بلند ترین درجہ یہ ہے کہ جو کچھ نظر و عقل اور کشف و مشاہدہ
میں آئے اگرچہ وہ تنزیہہ محض اور بے کیف محض ہی ہو، ان سب کو
"لا" (یعنی نفی) کے تحت میں داخل کیا جائے اور اثبات کی جانب
میں کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کو قلب کی موافقت کے ساتھ زبان سے
بولنے کے سوا اور کسی چیز کا اس میں حصہ نہ ہو

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ... کانیجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

ترجمہ

اٹھا لے جال عنقا کب کسی کے ہاتھ آتا ہے   لگاتا ہے یہاں جو جال خالی ہاتھ جاتا ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازمی جانے۔ آپ پر اور آپ کی آل پر درود و سلام نازل ہوں)۔

۴۸۔ منہا

حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ محمدی

حقیقتِ قرآنی اور حقیقتِ کعبہ ربانی کا درجہ حقیقتِ محمدی علیٰ مظہرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے اوپر ہے۔ لہذا حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ محمدی کی امام اور پیشوا ہوئی۔ اور حقیقتِ کعبہ ربانی، حقیقتِ محمدی کی مسجود ہوئی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حقیقتِ کعبہ ربانی کا درجہ، حقیقتِ قرآنی سے اوپر ہے۔ وہاں بالکل ہی بے صفتی اور بے رنگی کی کیفیت ہے۔ اور اس مقام میں شیونات اور اعتبارات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اس بارگاہ میں تو تنزیہہ اور تقدیس کی بھی کوئی مجال نہیں ہے۔

ع   آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان ست

ترجمہ   وہاں ہر چیز ایسی ہے کہ بالاتر بیاں ہے

یہ ایسی معرفت ہے کہ اہل اللہ میں سے کسی نے بھی اس کے متعلق لب کشائی نہیں فرمائی۔ اور اشارہ وکنایہ میں بھی اس کے متعلق کسی نے کوئی بات نہیں کہی۔ اس فقیر کو اس معرفتِ عظمیٰ کے ساتھ مشرف

فرمایا گیا اور ابنائے جنس کے درمیان ممتاز فرمایا گیا۔ یہ سب کچھ اللہ
کے حبیبؐ کے صدقے اور اللہ کے رسولؐ کی برکت سے ہوا۔ آپؐ پر
اور آپؐ کی آل پر فاضل تر رحمتیں اور کامل تر سلامتیاں نازل ہوں۔

حقیقتِ کعبہ کے مقام میں حقیقتِ محمدی کا عروج

جاننا چاہیئے کہ جس طرح کعبہ کی صورت چیزوں کی صورتوں کی مسجود ہے۔
اسی طرح حقیقتِ کعبہ اُن چیزوں کی حقیقتوں کی مسجود ہے۔ اور
میں ایک عجیب بات کہتا ہوں، جو اس سے پہلے نہ کسی نے سنی
اور نہ کسی بتانے والے نے بتائی، جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے
فضل وکرم سے صرف مجھے بتائی اور صرف مجھ پر الہام فرمائی ہے
اور وہ بات یہ ہے کہ آں سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و
التسلیمات کے زمانۂ رحلت سے ایک ہزار اور چند سال بعد ایک
زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ حقیقتِ محمدی اپنے مقام سے عروج
فرمائے گی اور حقیقتِ کعبہ کے مقام میں (رسائی پاکر اس کے ساتھ)
متحد ہو جائے گی۔ اس وقت حقیقتِ محمدی کا نام حقیقتِ احمدی
ہو جائے گا۔ اور وہ ذاتِ "احد" جل سلطانہ کا مظہر بن جائے گی۔
اور دونوں مبارک نام (محمد واحمد) اس مسمّٰی (مجموعۂ
حقیقتِ محمدی وحقیقتِ کعبہ) میں متحقق ہو جائیں گے۔ اور حقیقتِ
محمدی کا پہلا مقام (جہاں وہ اس سے پہلے تھی) خالی رہ جائے گا اور
وہ اس وقت تک خالی ہی رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا

(علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں۔ اور نزول فرمانے کے بعد شریعتِ محمدی علیہا الصلوات والتسلیمات کے مطابق عمل فرمائیں۔ اس وقت حقیقتِ عیسوی اپنے مقام سے عروج کرکے حقیقتِ محمدی کے اس مقام میں جو خالی چلا آرہا تھا استقرار پائے گی۔ (یعنی قیام پذیر ہو جائے گی۔)

۴۹۔ منہا

کلمۂ طیبہ کی فضیلت | اگر کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ ہوتا تو بارگاہِ قدس خداوندی جل سلطانہ کی طرف راہ کون دکھاتا؟ اور توحید کے چہرے سے نقاب کون اُٹھاتا؟ اور جنتوں کے دروازے کون کھولتا؟ صفاتِ بشریہ کے پہاڑ اس "لا" کے تیشہ کو کام میں لاکر ہی کھودے جاتے ہیں۔ اور تعلقات کی بے شمار دنیائیں اسی نفی کے تکرار کی برکت سے منتفی ہوتی ہیں۔ اور اسی کلمۂ طیبہ کا جزو نفی یعنی لا، باطل معبودوں کو ختم کرتا ہے اور اس کا جزو اثبات معبودِ برحق جل شانہ کو ثابت کرتا ہے۔ اور سالک اسی کلمہ کی مدد سے امکانی درجات کو قطع کرتا ہے اور عارف اسی کلمہ کی برکت سے وجوبی معراجوں کی طرف ترقی کرتا ہے۔ یہی کلمہ تو ہے جو تجلیاتِ افعال سے (آدمی کو) تجلیاتِ صفات تک لیجاتا اور تجلیاتِ صفات سے تجلیاتِ ذات تک پہنچاتا ہے ؎

(حاشیہ: دفتر اول مکتوب ۸۰)

تا بجاروبِ "لا" نروبی راہ ‏ ‏ نرسی در سرائے "اِلَّا اللّٰہ"

(ترجمہ) لا کی جھاڑو سے نہ ہو راہ کی صفائی جبتک ‏ ‏ کس طرح پہنچے گا تو خانۂ اِلَّا اللّٰہ تک

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

(اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے۔ آپ پر اور آپ کی آل پر مکمل ترین اور کامل ترین درود یں اور سلام ہوں۔)۔

۵۰۔ منہا

معوّذتین سے متعلق کشف | حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ معوّذتین (قل اعوذ بربّ الفلق۔ اور۔ قل اعوذ بربّ النّاس) کو فرض نماز میں نہیں پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں سورتوں کے قرآن ہونے میں جمہور کے مخالف ہیں۔ لہذا نماز میں جتنی قرارت فرض ہے، اُس میں اِن دونوں سورتوں کی قرارت کو محسوب نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ فقیر بھی ان دونوں سورتوں کو نہیں پڑھا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن، کارکنانِ قضا وقدر نے اس فقیر پر ظاہر کیا کہ گویا معوّذتین حاضر ہیں، اور حضرت مخدوم سے فرضِ قرارت میں اُن کی قرارت سے منع کردینے کے بارے میں شکایت کر رہی ہیں، کہ ہمیں قرآن سے کیوں نکال دیا ہے۔ اسی وقت سے میں اس ممانعت سے باز آگیا اور فرض قرارت میں میں نے ان کی قرارت شروع کردی۔ ہر مرتبہ جب میں ان دونوں سورۂ کریمہ کو فرض قرارت میں پڑھتا ہوں تو عجیب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں۔

اور حق یہی ہے کہ جب علمِ شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو ان دونوں سورتوں کو فرضِ قرا‌‌ءت میں پڑھنے سے روکنے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تو اُس اجماعی حکم کی قطعیت میں کہ "جو کچھ دفتین کے درمیان موجود ہے وہ سب قرآن ہے" ایک طرح سے شبہ ڈالنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ (سورۂ فاتحہ کے بعد نماز میں) کسی سورت کو ملانا (فرض نہیں ہے۔ بلکہ) واجبات میں سے ہے، جو بہرحال ظنی ہے۔ پھر ان دو سورتوں کی قراءت سے منع کرنا اگرچہ ان کا قرآن ہونا ظنی بھی کیوں نہ ہو، یعنی بفرضِ محال (کیونکہ حقیقت تو یہی ہے کہ یہ دونوں سورتیں ظنی نہیں ہیں) پھر بھی اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کی قراءت تو اسی طرح کی جاتی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ ان کو ملاتے ہیں (اور قراءت کا فریضہ تو سورۂ فاتحہ سے ادا ہو چکا ہے پس سورۃ کا ملانا بھی ظنی ہی ہوا)۔ فَالْعَجَبُ مِنَ الشَّیْخِ الْمُقْتَدٰی مِثْلُ هٰذَا الْکَلَامِ کُلَّ الْعَجَبِ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِهِ الْاَطْهَرِ۔ (لہذا بہت ہی تعجب ہے کہ ایک شیخ مقتدا سے اس جیسی بات کیونکر ادا ہوئی۔ اور درود و سلام ہو حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آلِ اطہر پر)۔ لہ

لہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ ۷۲۵ھ میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی غرض سے دہلی تشریف لائے لیکن اسوقت حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا وصال ہو چکا تھا۔ شیخ نجیب الدین فردوسی کے مرید ہو گئے پھر بہار تشریف لے آئے۔ عرصہ دراز تک ریاضت و عبادت میں مشغول رہ کر ۷۸۲ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کے ملفوظات و مکتوبات گنجینۂ معارف و حقائق ہیں۔

۵۱ - منہا

تقلید و اتباع کی فضیلت | صوفیہ کے طریق سے بلکہ ملتِ اسلام سے بڑا حصہ اسی شخص کیلئے ہے جس میں تقلید کی فطرت اور پیروی کی عادت سب سے زیادہ ہے۔ یہاں تو کام کا دار و مدار صرف تقلید پر اور اس مقام میں معاملے کا انحصار محض پیروی پر ہے۔ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید بلند ترین درجوں تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اصفیا کی پیروی بڑی بڑی معراجوں تک لیجاتی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں چونکہ یہ فطرت سب سے زیادہ پائی جاتی تھی تو بے توقف تصدیقِ نبوت کی سعادت میں انھوں نے سبقت فرمائی اور صدیقوں کے رئیس بنے۔ اور ابو جہل لعین چونکہ تقلید اور پیروی کی استعداد سب سے کمتر رکھتا تھا، لہذا اس سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہو سکا اور ملعونوں کا پیشوا بنا۔

مرید جس کمال کو بھی حاصل کرتا ہے وہ اپنے پیر کی تقلید ہی سے حاصل کرتا ہے۔ پیر کی غلطی بھی مرید کے صواب (درست) سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کے سہو و نسیان کی آرزو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ سَھْوَ مُحَمَّدٍ (یعنی اے کاش میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہو بن جاتا) اور حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ سِیْنُ بِلَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ شِیْنٌ (بلالؓ کا سین خدائے تعالیٰ

کے نزدیک شین ہے) چونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عجمی (حبشی) تھے، اس لئے وہ اذان میں سین مہملہ کے ساتھ اَسْھَدُ کہا کرتے تھے اور خدائے عزو جل وعلا کے نزدیک اُن کا اَسْھَدُ کہنا اَشْھَدُ ہی تھا لہذا حضرت بلال رضؓ کی یہ غلطی دوسروں کے صواب سے بہتر ہوگی۔ ع

بر اَشْهَدِ تو خندہ زند اَسْھَدِ بلالؓ

ترجمہ اشہد پہ تیرے ہنستا ہے اسہد بلالؓ کا

میں نے ایک عزیز سے سنا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اور اتفاقاً ان مشائخ نے ان میں سے بعض دعاؤں میں کوئی غلطی کردی ہے اور اسے محرّف کرکے (بگاڑ کر) پڑھ دیا ہے تو اگر اُن کے پیروکار اِن دعاؤں کو اسی تحریف کے ساتھ پڑھتے ہیں جس کے ساتھ اُن کے مشائخ نے پڑھ دیا تھا، تو وہ دعائیں تاثیر بخشتی ہیں اور اگر انھیں درست کرکے پڑھتے ہیں تو وہ تاثیر سے خالی رہ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے انبیاء کی تقلید اور اپنے اولیاء کی پیروی پر اپنے حبیب علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ متابعیہم الصلوات والتسلیمات کی عظمت وحرمت کے طفیل ثابت قدم رکھے۔

۵۲۔ منہا

تجلّیٔ ذات کے اعتبار سے انبیاء کے درجات کا تفاوت

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام رسولوں کے سردار (سید المرسلین) ہیں علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ باقی تمام انسانوں کا کیا سوال ہے۔

اور حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما الصلوات والتسلیمات والتحیات کو، اگرچہ تجلیٔ ذات کے مقام سے، بقدرِ مرتبہ و استعداد، حصہ حاصل ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:
وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ (اور میں نے تمہیں اپنے نفس کے لئے منتخب فرمالیا ہے) یعنی اپنی ذات کے لئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو "روح اللہ" اور "اس کا کلمہ" ہیں اور ان کو آں سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام باوجودیکہ وہ تجلیٔ صفات کے مقام میں ہیں، لیکن بڑے تیز نظر ہیں، وہی خاص شان جو ہمارے پیغمبرؐ کو تجلیٔ ذات کے مقام میں میسر ہوئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تجلیٔ صفات کے مقام میں حاصل ہوئی ہے۔ باوجود اس کے کہ دونوں میں استعداد کا تفاوت ہے۔ لہذا اس اعتبار سے وہ حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے افضل ہیں اور ان کا رتبہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے اوپر ہے۔ وہ تیز بصر اور ناقد نظر ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور حضرت نوح (علیہ السلام) کا مقام اگرچہ صفات کے مقام میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے بہت اونچا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اُس مقام میں ایک خاص شان اور تیزیٔ نظر حاصل ہے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہے۔ لیکن ان کی اولاد کرام کو بھی اس مقام میں بوجہ پیروی کرنے اور

م ۱۳

اولاد ہونے کے حصہ ملا ہے۔ اور حضرت آدم (علیہ السلام) کا درجہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے بعد ہے۔ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء (علیہم السلام) پر درودیں اور سلام ہوں۔ یہ ان معلومات میں سے ہے جو مجھے میرے رب نے سکھائی ہیں اور جن کا اس نے مجھ پر اپنے فضل و کرم سے الہام فرمایا ہے۔ اور پورا علم تو اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔

۵۳۔ منہا

سیرِ اجمالی کا درجہ سیرِ تفصیلی سے بلند ہے

جس سالک کی سیر، اسماء و صفات کی تفصیل میں واقع ہو گئی، اس کے لئے بارگاہِ ذات جل سلطانہ تک رسائی کی راہ بند ہو گئی۔ کیونکہ اسماء و صفات کی تو کوئی انتہا ہی نہیں کہ ان کو قطع کرنے کے بعد سالک منتہائے مقصود تک پہنچ سکے۔ مشائخ نے اسی مقام کے متعلق بتایا ہے کہ مراتبِ وصول کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ محبوب کے کمالات لامتناہی ہیں۔ اور اس جگہ وصول سے مراد، وصلِ اسمائی و صفاتی ہی ہے۔ سعادت مند وہی سالک ہے جس کی سیر، اسماء و صفات میں اجمالی طریقہ پر واقع ہو۔ اور وہ تیزی کے ساتھ بارگاہِ ذات تعالیٰ و تقدس میں واصل ہو جائے۔

وصولِ نہایت کے بعد رجوع لازم ہے

واصلانِ ذات کو آخری نقطۂ وصول (یعنی نہایت النہایت) تک پہنچنے کے بعد دعوت و ارشاد کے ساتھ واپس آنا لازمی ہے۔ اس مقام سے نہ لوٹنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ان متوسط حضرات کے برخلاف ہے جنہیں اپنی استعداد کی انتہاء تک

پہنچ جانے کے بعد واپس آنا لازمی نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ وہ واپس آجائیں اور (یہ بھی) ہو سکتا ہے کہ وہ وہیں قیام کرنا قبول کر لیں۔ لہذا منتہی حضرات کے وصول کے مراتب کے لئے تو تکمیل و اتمام کا تصور کیا جا سکتا ہے بلکہ لازم ہے لیکن متوسط حضرات کے لئے جو اسمائی اور صفاتی تفصیل میں چلے گئے ہیں (وصول کے مراتب کی) کوئی انتہا نہیں ہے (کہ وہاں پہنچکر وہ تکمیل حاصل کر سکیں)۔ یہ علم ان مخصوص علوم میں سے ہے جو خاص اس فقیر[۹۴] کو عطا ہوئے ہیں۔ اور صحیح علم تو اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔

۵۴ - منہا

مقامِ رضا کی برتری مقامِ رضا، تمام مقاماتِ ولایت سے اوپر ہے اور اس بلند مقام کا حصول، سلوک اور جذبہ کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے۔

سوال: - اگر لوگ دریافت کریں کہ ذاتِ حق سبحانہ اور صفاتِ حق تعالیٰ اور افعالِ حق سبحانہ سے رضا تو واجب ہے اور خود ایمان ہی میں ملحوظ ہے۔ لہذا عام مسلمانوں کو بھی اس سے چارہ نہیں ہے۔ تو سلوک و جذبہ کی تکمیل کے بعد اس کا حاصل ہونا کیا معنے رکھتا ہے؟

جواب: - اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ رضا کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اسی طرح جیسا کہ باقی ارکانِ ایمان کی صورت اور حقیقت ہوا کرتی ہے۔ ابتدائی حالات میں صورت کا تحقق ہوتا ہے۔ اور انتہا میں حقیقت کا تحقق ہوتا ہے۔ جب آدمی سے کوئی بات رضا کے خلاف ظاہر نہ ہو تو ظاہرِ شریعت فیصلہ کر دیتی ہے کہ اس شخص کو

رضا حاصل ہے، تصدیقِ قلبی کی طرح کہ جب تصدیق کے منافی کوئی بات نہ پائی جائے تو حصولِ تصدیق کا فیصلہ کر دیتے ہیں لیکن ہم (سالکین و عارفین) جس چیز کے درپے ہیں وہ حقیقتِ رضا کا حصول ہے۔ محض صورت کا نہیں۔ اور اللہ سبحانہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

۵۵ - منہا

ترغیب اتباعِ سنت و احتراز از بدعت کوشش کرنی چاہیے کہ سنت پر عمل کرنا اور بدعت سے بچنا میسر ہو خصوصاً ایسی بدعت سے جو سنت کو ختم کر دینے والی ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا ھٰذَا فَھُوَ رَدٌّ (یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات داخل کرے تو وہ قابلِ رد ہے) ایسی جماعت کے حال پر تعجب ہوتا ہے جو کہ دین میں نئی نئی چیزیں داخل کرتے ہیں باوجودیکہ دین ہر طرح مکمل ہو چکا اور وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور ان نئی داخل کی ہوئی چیزوں (محدثات) کے ذریعہ سے تکمیلِ دین کی تلاش کرتے ہیں۔ انھیں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ خدانخواستہ اس نو ایجاد (مخترع) بات کی وجہ سے کہیں سنت کی نفی (ختم) نہ ہو جائے۔ مثلاً عمامہ کا شملہ دونوں بازؤں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے شملہ کو بائیں طرف چھوڑنا اختیار کر لیا ہے اور اپنے اس عمل سے انھیں مُردوں کے ساتھ تشبّہ (مشابہت) اختیار کرنا منظور ہوتا ہے۔ اور بے شمار لوگ اس فعل میں ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ اُن کا یہ عمل

۸۵ ص

سنت کی نفی کر رہا ہے، اور سنت سے ہٹا کر انہیں بدعت میں مبتلا کر رہا ہے اور بالآخر حرمت تک پہنچا دیتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تشبہ (مشابہت) اختیار کرنا بہتر ہے یا مُردوں کے ساتھ؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی تو ہیں جو ایسی موت سے مشرف ہو چکے ہیں جو موت سے بھی پہلے آتی ہے۔ اگر وہ لوگ مُردہ کے ساتھ ہی تشبہ کے متلاشی ہیں تب بھی ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ ہی سزاوار ہو سکتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ میت کے کفن میں خود عمامہ پہنانا بھی بدعت ہے چہ جائیکہ اس کا شملہ چھوڑا جائے۔ اور بعض علمائے متاخرین نے جو میت کے کفن میں عمامہ دینے کو، جبکہ میت علمائے دین میں سے ہو، مستحسن قرار دیا ہے فقیر کے نزدیک تو کفن کی مسنون مقدار میں زیادتی کرنا نسخ یعنی سنت کو بدلنا ہے اور اصل سنت کو بدلنے کا مطلب سنت کو چھوڑ دینا ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند سنت کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام۔ اور خدائے تعالیٰ اس بندہ پر اپنا رحم فرمائے جو میری اس دعا پر آمین کہے۔

۵۶ ـ منہا

جنات کے حالات ایک دن جنات کے حالات کو اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا۔ اس فقیر نے دیکھا کہ جنات گلی کوچوں میں انسانوں ہی کی طرح گھوم پھر رہے ہیں۔ اور ہر جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ اور وہ جن اس مقررہ فرشتہ کے ڈر سے اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اور اپنے دائیں بائیں

دیکھ بھی نہیں سکتا۔ وہ مقید اور محبوس (قیدیوں) کی طرح پر گھوم رہے تھے اور قطعاً کسی مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تھے۔ بجز اس کے کہ میرا پروردگار ہی کسی چیز کو چاہے۔ اور اس وقت کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مؤکل (مقررہ فرشتہ) کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہے کہ اگر وہ اُس جن پر ذرا سی مخالفت کا بھی احساس کرے تو ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کردے ؎

خدائے کہ بالا و پست آفرید زبردست ہر زیر دست آفرید
(ترجمہ)
خدا نے بنایا ہے بالا و پست زبردست بالائے ہر زیر دست

۵۷ - منہا

ولی کو نبی پر جزئی فضیلت

ولی جو کمال بھی حاصل کرتا ہے اور جس درجہ تک بھی پہنچتا ہے وہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے طفیل میں پہنچتا ہے۔ اگر نبی کی متابعت اور پیروی نہ ہوتی تو خود ایمان بھی حاصل نہ ہوتا۔ بلند ترین درجات تک راہ تو کہاں کھل سکتی تھی۔ لہذا اگر ولی کو جزئی فضیلتوں میں سے کوئی ایسی فضیلت حاصل ہو جائے، جو نبی کو حاصل نہیں تھی، اور اسے بلند درجات میں سے کوئی خاص درجہ میسّر ہو جائے جو نبی کو میسر نہیں تھا، تو یقیناً نبی کو بھی اس جزئی فضیلت اور اس خاص درجہ سے پورا پورا حصہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ولی میں اس کمال کا حصول اس نبی کی پیروی ہی کے واسطہ سے ہے اور یہ سب کچھ اس نبی کی اتباعِ سنت کے نتائج ہی کا ایک نتیجہ ہے۔ پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے مکمل حصہ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے

"مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا" (جس کسی نے کسی اچھے طریقے کی بنیاد رکھدی تو اسے خود اس کا ثواب بھی ملے گا اور ان لوگوں کے برابر بھی ثواب ملے گا جو اس طریقے پر عمل کریں گے)۔ البتہ ولی اس کمال کے حصول میں پیشرو ہوگا اور اس درجے تک پہنچنے میں مقدم ہوگا۔ اور ولی کی نبی پر اس قسم کی فضیلت حاصل ہونے کو علماء نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ جزئی فضیلت ہے، جسے کلی فضیلت کا مقابلہ کرنے کی مجال نہیں ہے اور وہ جو صاحبِ فصوص الحکم[1] نے فرمایا ہے کہ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) علوم و معارف کو خاتم الولایت سے حاصل فرماتے ہیں، تو وہ بھی اسی معرفت کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ اس فقیر کو اس معرفت کے ساتھ ممتاز فرمایا گیا ہے اور یہ سراسر شریعت کے موافق ہے۔ اور فصوص کے شارحوں نے جو اس بات کو صحیح قرار دینے کے لئے تکلف اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الولایت دراصل خاتم النبوت کا خزینہ دار اور خزانچی ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ خود اپنے خزانہ سے کوئی چیز لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ خزانچی ہی سے لے گا) اس سے بادشاہ کے مرتبہ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے)

---

[1] حضرت شیخ محی الدین محمد بن علی ابن عربی قدس سرہ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ اندلس کے مشہور شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے اور ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ دمشق میں وفات پائی۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا اور فلسفۂ اشراقیت کے ماہر تھے۔ آپ نے توحید وجودی کے نظریہ کو پیش کیا جس کی کنہ و حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے کافی الجھنیں پیدا ہو گئیں جن کو حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے توحید شہودی کا نظریہ پیش کر کے صاف اور واضح کیا۔ حضرت شیخ کی تصانیف بہت ہیں ان میں فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ مشہور و اہم ہیں۔

حقیقتِ واقعہ وہی ہے جو میں نے تحقیق کرکے بیان کردی ہے۔ اور اس تکلف کا منشا محض یہ ہے کہ وہ لوگ معاملہ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔ اور اللہ سبحانہ تمام حقائقِ امور کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اور درود و سلام ہو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اطہر پر۔

۵۸ ۔ منہا

ولی کی ولایت نبی کی ولایت ہی کا حصہ ہوتی ہے ولی کی ولایت اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجزائے ولایت کا ایک حصہ ہے۔ ولی کو کتنے ہی بلند ترین درجات نصیب ہوجائیں وہ سب درجات، اس نبی کے اجزائے درجات میں سے ایک جزو ہی ہوں گے۔ جزو کتنی ہی عظمت پیدا کرلے کُل سے کمتر ہی ہوگا۔ کیونکہ اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ (یعنی کُل جزء سے بڑا ہوتا ہے) قضیۂ بدیہیہ ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا جو کسی جزو کی بڑائی کا خیال کرکے اسے کُل سے زیادہ جانے۔ کیونکہ کُل کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ دوسرے اجزاء کے علاوہ اس میں یہ جزو بھی موجود ہے۔

۵۹ ۔ منہا

صفاتِ باری تعالیٰ کی تین قسمیں صفاتِ واجبی، تعالَتْ و تقدّسَتْ، تین قسم کی ہیں۔ قسم اول، صفاتِ اضافیہ ہیں جیسے خالق ہونا، رازق ہونا۔ اور قسمِ دوم صفاتِ حقیقیہ ہیں، لیکن وہ اپنے اندر اضافت کا ایک رنگ رکھتی ہیں جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور قسمِ سوم، حقیقتِ محض ہے۔ جیسے حیات۔ پس اس میں اضافت کا کوئی امتزاج

نہیں ہے۔ اور اضافت سے ہماری مراد، عالم یعنی دنیا کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اور تیسری قسم تینوں قسموں میں سب سے اعلیٰ اور تمام اقسام کی جامع ترین ہے اور امہاتِ صفات میں سے ہے۔ صفتِ علم اپنی جامعیت کے باوجود صفتِ حیات کی تابع ہے اور صفات اور شیونات کا یہ دائرہ صفتِ حیات پر ختم ہو جاتا ہے اور مطلوب تک رسائی حاصل کرنے کا دروازہ بھی یہی صفت ہے۔ اور چونکہ صفتِ حیات کا درجہ صفتِ علم سے اوپر ہے۔ اس لئے لامحالہ اس مقام تک رسائی بھی علم کے مراتب کو طے کر لینے کے بعد ہی ہوگی۔ خواہ وہ علمِ ظاہر ہو یا علمِ باطن، خواہِ علمِ شریعت ہو یا علمِ طریقت۔ اور وہ لوگ جو اس دروازہ میں داخل ہوتے ہیں وہ بہت ہی کم (کم سے بھی کم تر) ہیں۔ کھڑکیوں اور کوچوں کے پیچھے سے لوگ اپنی نگاہیں اندر ڈال لیتے ہیں (خود اندر نہیں پہنچ سکتے) اور ایسے لوگ بھی بہت ہی کم ہیں۔ اگر میں اس مقام کے اسرار میں سے کوئی راز بھی بیان کروں تو گردن اڑا دی جائے ؎

شعر

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ
وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

(ترجمہ) بیان کرنا ہی ان اسرار کا مشکل مگر اب ہے
چھپانا ان رموزِ خاص کا اجمل ہے انسب ہے

اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

۶۰ ۔ منہا

خدا کا مِثل نہیں ہو سکتا، مثال ہو سکتی ہے۔ حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ "مِثل" سے منزہ ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (اس کے مِثل کوئی چیز بھی نہیں ہے)۔ لیکن علماء نے "مِثال" اور "مَثَل" کو جائز رکھا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ کے لئے تو بلند ترین مثال ہے، یا اللہ کی تو بلند ترین شان ہے)۔ اربابِ سلوک اور اصحابِ کشوف کو مثال ہی سے تسلّی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں بے چون کو، چون کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں۔ وجوب (ذاتِ واجب) کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں۔ بیچارہ سالک، مثال کو صاحبِ مثال کا عین سمجھ لیتا ہے اور صورت کو صاحبِ صورت کا عین خیال کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو تمام چیزوں میں دیکھتا ہے اور اسی احاطہ کی مثال کا تمام دنیا میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور وہ خیال کر لیتا ہے کہ جو چیز نظر آ رہی ہے وہ احاطۂ حق سبحانہٗ کی حقیقت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ تو بے چون اور بیچگون ہے اور اس سے منزہ و پاک ہے کہ وہ شہود (مشاہدہ) میں آسکے اور کسی پر ظاہر ہو جائے۔ اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق سبحانہٗ ہر چیز کو محیط ہے لیکن ہم اُس کے اِس احاطہ کو نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے؟ اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اس احاطہ کی شبیہ اور مثال ہے۔ اور حق تعالیٰ کے قرب اور اس کی معیت کو بھی اِسی پر قیاس کرنا چاہیئے، کہ جو کچھ مشاہدہ اور

کشف میں آتا ہے وہ ان کی شبیہ اور مثال ہے اُس کی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام باتوں کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ کے اس قُرب اور مَعیّت کی حقیقت کیا ہے؟۔ اور بہت ممکن ہے کہ جو کچھ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات میں آیا ہے کہ "یتجلّٰی ربّنا ضاحکاً" (یعنی ہمارا پروردگار ہنستے ہوئے تجلی فرمائیگا) ۸۹ وہ صورتِ مثالی کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ کمالِ رضا وخوشنودی کا حاصل ہونا مثال میں ہنسنے کی صورت میں ہی دکھایا جاتا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ ہاتھ، چہرہ، قدم اور انگلی کا اطلاق بھی مثالی صورت کے اعتبار سے ہی ہو — میرے پروردگار نے مجھے ایسی ہی تعلیم دی ہے۔ اور خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص فرما لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر اور سلامتیاں اور برکتیں بھی نازل ہوں۔

۶۱ ۔ منہا

تنبیہ احوال، وجدانات اور علوم ومعارف کو بیان کرنے کے سلسلہ میں اگر اس راقم کی عبارت میں کوئی تناقض یا اختلاف معلوم ہو تو اُسے اوقات کے مختلف ہونے اور حالات وکیفیات کے جداگانہ ہونے پر محمول کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہر وقت کے احوال اور وجدانات مختلف ہوتے ہیں۔ اور ہر حالت وکیفیت کے علوم ومعارف جداگانہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا

درحقیقت یہ کوئی تعارض یا اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کی مثال احکامِ شرعیہ کی مثال کی طرح ہے کہ وہ منسوخ اور تبدیل ہونے کے بعد متضاد احکام نظر آتے ہیں۔ لیکن جب اوقات اور حالات کے اختلاف کو نظر میں رکھا جاتا ہے تو وہ تناقض اور اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر اور سلامتیاں اور برکتیں بھی نازل فرمائے۔

ان عجیب و غریب اور بلند نکات کا جامع، بندۂ ضعیف محمد صدیق بدخشی الکشمی الملقب بالھدایۃ کہتا ہے کہ ان معارف عالیہ شریفہ کی تسوید سے جس کا نام "المبدأ والمعاد" ہے، اواخر ماہ رمضان المبارک میں اعتکاف کے وقت سنہ ایک ہزار انیس (۱۰۱۹ھ) میں فراغت حاصل ہوئی۔

رُباعی

این نسخہ کہ مبدأ و معاد است بنام	ز انفاسِ نفیس حضرتِ فخرِ کرام
چوں کرد ہدایت اقتباس از سرِ صدق	در سالِ ہزار و نوزدہ گشت تمام

(یعنی یہ نسخہ کہ جس کا نام مبدأ و معاد ہے، حضرت فخر کرام (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے فرمودات سے ہے۔ جب ہدایت (لقبِ جامع) نے اسے صدق و صفا کی راہ سے اقتباس کیا تو وہ سنہ ایک ہزار اور انیس میں مکمل ہو گیا۔)

منہ　له از حضرت فخر کرام مصطفیٰ ... چوں کرد ہدایت اقتباس از سر صدق ۹ + ۲ + ۹ + ۹۰ = ۱۰۱۹ھ

صدیقِ ہدایت کہ شدش چرخ بکام ۔۔۔ ما ناکہ ز صدق شد ہدایت فرجام

زیں خود چہ عجب لیک تحقیق این است[ل] ۔۔۔ کز جوشِ شرابِ احمدی یافتہ جام

(یعنی: صدیقِ ہدایت کہ تقدیر بھی جس کی ہمنوا تھی، بالضرور وہ سچائی کی وجہ سے ہدایت فرجام ہوگیا۔ اور یہ خود کتنا عجیب ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرابِ احمدی کے جوش سے جام حاصل ہوا ہے۔)

اشاریہ

[ل] از حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ۔ ابن خود چہ عجب ولیک تحقیق این است۔ "ہم جوش از شرابِ احمدی یافتہ جام"

تمت

ادارۂ مجددیہ کی جملہ مطبوعات